خاندان سالار جنگ حیدرآباد دکن کی مفصّل تاریخ

مصنّفہ

مصطفائی بیگم لیڈی کمشنر خزانہ عامرہ سرکار عالی
حیدرآباد دکن

قیمت فی جلد ...... (للعہ)

جس کتاب پر مصنف کے قلمی دستخط نہ ہوں وہ مسروقہ سمجھی جائے گی۔

مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس گورنمنٹ ایجوکیشنل پرنٹرز
حیدرآباد دکن

اِنتساب

عالی جناب نواب یوسف علی خاں سر سالار جنگ بہادر کی نسبت سے اس کتاب کا نام "یوسف دکن" رکھا گیا۔ کاش ممدوح اسے اپنی نظر کیمیا اثر سے اسم بامسمیٰ کر دیں

آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

مصطفائی بیگم
لیڈی کمشنر
خزانہ عامرہ سرکار عالی
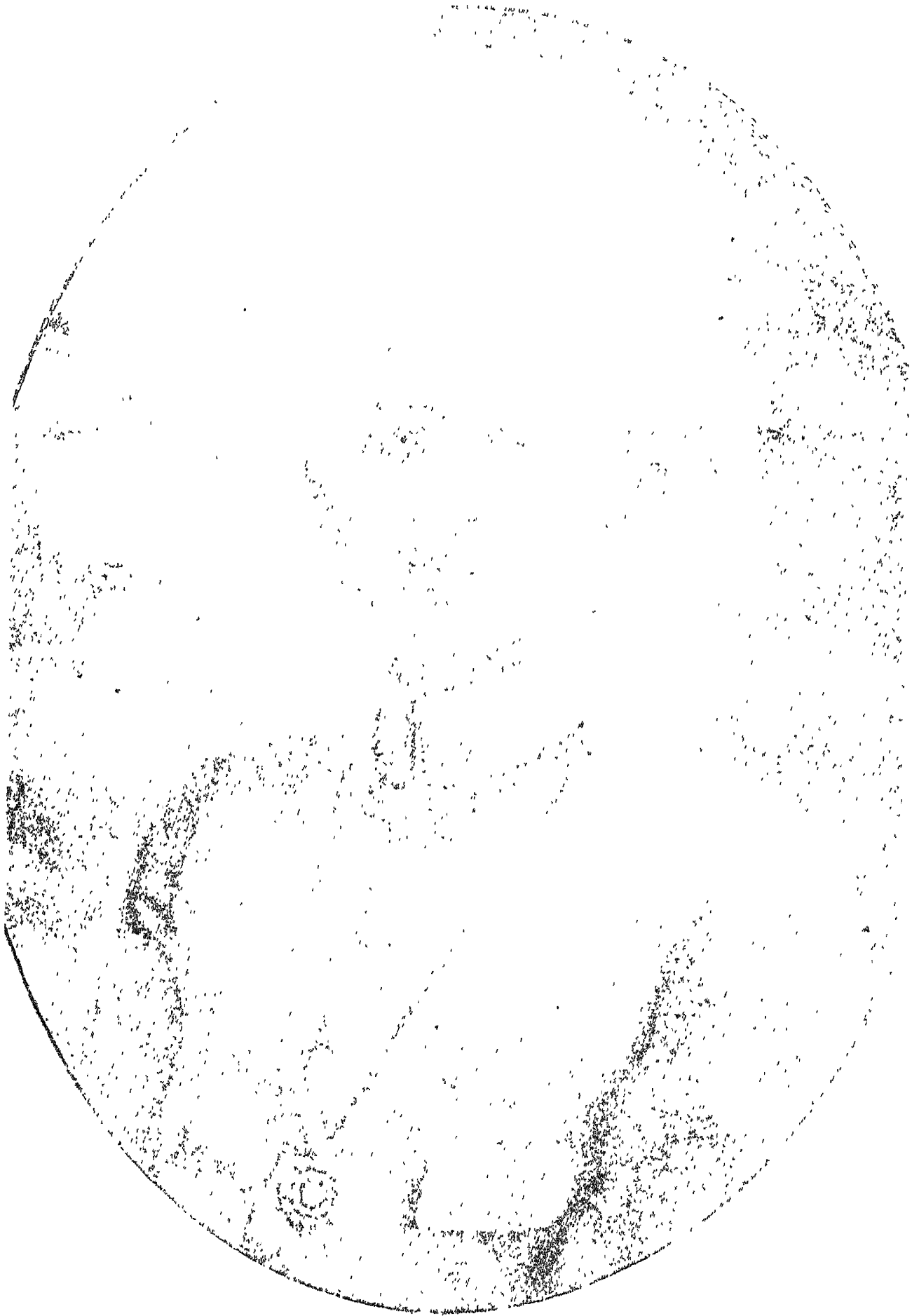
نواب میر یوسف علی خان سالار جنگ بہادر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

از

مولانا محمد حامد خاں ہندی مدظلہ

موجودہ زمانے میں عام طور پر یہ دستور ہو گیا ہے کہ مصنفین کسی بڑے شخص سے اپنی کتابوں کے لئے دیباچے لکھوایا کرتے ہیں اور اکثر اس سے ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ دیباچہ نگار کے توسط سے ان کی کتابیں جمہور میں متعارف اور مقبول ہو جائیں میں بذات خود نہ اہل قلم اور نہ طبقۂ اہل قلم میں متعارف لہذا اگر کوئی مصنف مجھ سے اپنی کتاب کا مقدمہ لکھائے تو ظاہر ہے کہ میری تحریر سے کتاب کی حیثیت کے کم ہو جانے کا اندیشہ ہے مگر یہ محبی و مکرمی جناب مولوی محمد مظہر اللہ خاں صاحب کی نیک نفسی اور ان کا حسن ظن ہے کہ انھوں نے اپنی قابل فخر ہمشیر مصطفائی بیگم صاحبہ کی کتاب "خاصان خدا" کے لئے مجھ سے مقدمہ لکھنے کی خواہش کی اور اب تاریخ "یوسف دکن" کے دیباچے کے لئے بھی مصر ہیں، کتاب بذات خود مستغنی عن التوصیف ہے اور کسی دیباچے یا پیش لفظ کی محتاج نہیں لیکن تعمیلاً و امتثالاً اپنے ناچیز خیالات کا اظہار کرتا ہوں۔

ذی علم و اقبالمند قومیں عموماً اپنے بزرگوں، امرا، پادشاہوں، سیاست دانوں،

مذہبی پیشواؤں، عالموں اور مشہور ہستیوں کی تاریخ کو محفوظ رکھتی ہیں، کیونکہ ملّت کا عروج و زوال اور ارتقاء و انحطاط ایک جامِ جہاں نما کی حیثیت رکھتا ہے جس کے ذریعہ نئی پود اپنے اجداد کے کارناموں کو مشاہدہ کرتی اور شاہراہ زندگی میں انھیں خضرِ راہ بناتی ہے۔ عرب زمانۂ جاہلیت میں بچوں کو اپنے قبائل کی تاریخ کا حافظ بنا دیتے تھے اور اکثر اشعار میں تاریخی واقعات کا ذکر کرتے تھے چنانچہ اسی وجہ سے وہ لوگ اپنے باپ دادا کی شجاعت کا آئینہ ہوتے تھے اور قومی عصبیت جس پر قوم کی نشوونما کا انحصار ہے ان میں بدرجہ اتم پیدا ہو جاتی تھی دنیا کی دوسری مہذب اقوام کی طرح مسلمانوں کو بھی تاریخ کا ہمیشہ ذوق رہا ہے بلکہ انھوں نے فن تاریخ کے ایسے گراں بہا اسباق اور ایسے انمول جواہر چھوڑے ہیں جنھیں مقتدر اقوام یورپ اپنے خزانوں کی زینت سمجھتی ہیں اور اس فن کے علماء کے لئے ایسے ایسے چراغ روشن کر دئیے ہیں کہ آج تک ان کی رہنمائی ہوتی ہے مسلمان ہی وہ پہلے لوگ ہیں جنھوں نے تاریخ کی افسانوی حیثیت سے قطع نظر کر کے اس کی فنی حیثیت کو نمایاں کیا اور اس علم کے بہتر سے بہتر قواعد و ضوابط مرتب کئے چنانچہ مشہور عالم مسلمان مورخ علامہ ابن خلدون آج بھی بجا طور پر فن تاریخ میں یورپ کا استاد سمجھا جاتا ہے، اس سے پہلے تاریخ کی حیثیت افسانوں سے زیادہ نہ تھی۔

علم تاریخ کا منشاء صرف واقعات عالم سے لطف اندوز ہونا نہیں ہے، بلکہ اس کے سیکڑوں مقاصد ہیں اور عصر جدید کے مورخین عموماً ان میں سے کسی ایک یا کئی مقاصد کو پیش نظر رکھ کر تاریخی کتابیں تصنیف کرتے ہیں، اس میں

شک نہیں کہ محض واقعات و حوادث کا معلوم کر لینا بھی ایک تاریخی مقصد ہے لیکن بہت ہی سطحی اور قلیل المنفعت، آج کل ایسی تاریخوں کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے جن سے اقوام کا تمدنی ارتقاء، سیاسی عروج و زوال اور قانونی، عدالتی، علمی، معاشرتی پستی و بلندی معلوم ہو سکے، اس موقعہ پر میں اس امر کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ مقاصد اچھے بھی ہو سکتے ہیں اور بُرے بھی مثلاً اگر کسی تاریخ کی تدوین کا یہ منشاء ہو کہ اسے پڑھ کر لوگوں میں منافرت پیدا ہو اور وہ نفاق و شقاق اور بغض و عناد کا شکار ہو جائیں تو بلا شبہ یہ تاریخ نویسی کا بدترین مقصد ہوگا چنانچہ عہد اورنگ زیب کی تاریخ اس زاویہ نظر سے لکھی کہ ہندو اسے پڑھ کر مشتعل ہوں اور سوئے ہوئے فتنے بیدار ہو جائیں کسی ذی ہوش انسان کے نزدیک مستحق توصیف و تحسین نہیں ہو سکتی، لیکن میرے اس بیان کا یہ مطلب نہیں کہ تاریخ میں صرف اچھے کردار اور اچھے قوانین و دساتیر ہی کا ذکر ہونا چاہیے بلکہ میری مراد یہ ہے کہ تاریخ نویسی میں اپنے خیالات اور نقاط نظر کے لحاظ سے رنگ آمیزی نہ کرنی چاہیے، علم تاریخ اوّل تو یوں نہیں ایک ظنی علم ہے دوسرے اُسے مورخین کے عقائد، خیالات، رائیں اور نظریے اور زیادہ ظنی بلکہ مشکوک بنا دیتے ہیں، مثال کے طور پر عہد اکبری کی تاریخ کو لے لیجیے، ابو الفضل اور فیضی کی تحریریں اسے فلک الافلاک پر پہونچاتی ہیں، ملا عبد القادر بدایونی اُسے تحت الثریٰ کی سیر کراتے ہیں اور آزاد صاحب اکبر کی تعریفوں کے وہ پل باندھتے ہیں کہ برائیوں پر نظر ہی نہیں پڑتی، شخص ایک زمانہ ایک،

لیکن مورخین کے خیالات کے اختلاف اور آراء کے تضاد نے ایسا مواد بہم پہونچایا کہ ناظرین مذبذب ہو کر رہ گئے اور طلبائے تاریخ کے لئے بحث و تکرار کا دروازہ کھل گیا، اسی وجہ سے بعض مورخین نے محض واقعات ہی کے بیان کر دینے پر اکتفا کی اور کسی خاص نتیجہ تک پہنچنے کے لئے ناظرین کو آزاد چھوڑ دیا، لیکن بحیثیت فن یہ کام اہم نہیں، میرے خیال میں مورخ کو چاہیئے کہ وہ اپنے خیالات و عقائد سے ہٹ کر واقعات کو جانچے اور کسی خاص نتیجہ تک پہونچنے کی کوشش کرے تاکہ اس فن شریف سے کما حقہٗ فائدہ اُٹھایا جا سکے،

یوں تو تاریخ کی فنی اعتبار سے بہت سی قسمیں ہو سکتی ہیں لیکن علما نے اس کی دو بڑی قسمیں قرار دی ہیں ۱۔ تاریخ عام ۲۔ تاریخ خاص، ان دونوں قسموں کی تعریف تو ناموں ہی سے ظاہر ہے لہذا تعریف کی ضرورت نہیں البتہ چونکہ اس کتاب کا تعلق موخر الذکر سے ہے اس لئے اس کے متعلق اتنا عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ کسی خاص خاندان یا کسی خاص فرد کے سوانح جمع کرتے وقت اس امر کو خصوصیت کے ساتھ ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ اس کے متعلقہ واقعات کو ملک، قوم اور سوسائٹی سے کہاں تک تعلق ہے اور وہ واقعات ان پر کیوں کر اثر انداز ہوئے، یہاں تک جو کچھ میں نے عرض کیا وہ تاریخ کے متعلق ایک مجمل بیان تھا، اب میں کتاب "یوسف دکن" کے متعلق یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اس کی جمع و ترتیب میں کن امور کو مدنظر رکھا گیا ہے اور امور متذکرہ بالا کی پابندی سے اس میں کن

خصوصیات کا اضافہ ہوا ہے اور ناظرین اس کے مطالعہ سے کیونکر مستفید ہو سکتے ہیں۔

یہ کتاب خاندان سالار جنگ حیدرآباد دکن کی مفصل تاریخ ہے، اس کا ورود جب سے ہندوستان میں ہوا اُس وقت سے آج تک کے حالات مختلف کتب تاریخ کی مدد سے مدوّن کئے گئے ہیں اور یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ پہلے جو صاحب ہندوستان تشریف لائے اُن کے حالات جمع کئے گئے اور اُن کے بعد اُن کی اولاد کے [illegible] سرگزشت بیان کی گئی۔ بعض ایسے اشخاص کا تذکرہ بھی ضمناً آگیا ہے جنھیں اس خاندان سے قرابت حاصل تھی۔ حاشیہ پر بعض ایسے امرائے کبار کا تذکرہ بھی قدرے تفصیل کے ساتھ لکھا گیا ہے جن کا نام متن کتاب میں آیا تھا۔ ان تمام تذکروں کو مرتب کرنے میں زیادہ تر واقعات کے پیش کردینے کو مدنظر رکھا گیا ہے اور اپنی رائے کی آمیزش بہت کم کی گئی ہے جو مضمون جس کتاب سے ماخوذ ہے اس کا حوالہ بھی موجود ہے تاکہ ناظرین مطمئن ہو جائیں، البتہ مورخین کی بعض غلط فہمیوں کا ازالہ نہایت مدلل طریقہ سے کیا گیا ہے جس سے مؤلفہ کی وسعت نظر تحقیق اور ذہانت کا پتہ چلتا ہے۔

اِس کتاب کی ترتیب تعلیمی کتب کی طرح کی گئی ہے اور بکثرت چھوٹی چھوٹی سرخیاں قائم کی گئی ہیں، تاکہ کم استعداد طلبا اور عورتیں بھی واقعات و حالات کو ذہن نشین کر سکیں اور ان کو تاریخ سے ایک طرح کی دلچسپی ہو جائے میرے خیال میں ایسی تاریخیں جن کی تدوین کا مقصد ملک کے افراد خاص کر

کم عمر طلبہ کی زندگی کی تعمیر ہو ان میں ایسے ہی واقعات کو پیش کرنا چاہئے جن سے دل و دماغ پر بہترین اثرات مترتب ہوں، اس تاریخ کے لکھنے کا منشاء صرف یہ نہیں کہ محض واقعات بطور کہانی پیش کر دئے جائیں بلکہ یہ بھی مقصود ہے کہ چھوٹے چھوٹے طلبہ جب اس کتاب کا مطالعہ کریں تو اس کے افراد کی زندگی سے سبق حاصل کریں ان میں بھی علو حوصلہ، بلند خیالی، اولوالعزمی ترقّع اور اخلاق حمیدہ پیدا ہوں۔ ملک و وطن اور قوم و ملت کی محبّت اُن کے رگ و پے میں سرایت کر جائے۔ خود داری کے دلکش نغمات سے اُن کے دل و دماغ مسحور ہوں اور وہ یہ سمجھیں کہ سرزمین وطن اپنے موجودہ ارتقاء کے ساتھ کن بزرگوں کی ودیعت ہے اور ہمیں اُسے اور بلند کرنے کے لئے کیا کرنا چاہئے۔

اس میں شک نہیں کہ کمزوری ہر بشر میں ہوتی ہے دنیا کا بڑے سے بڑا انسان بھی اس سے بری نہیں ہو سکتا، مگر ہمارا مقصد صرف یہی نہ ہونا چاہئے کہ کمزوریاں اور ان کی برائیاں نمایاں کرکے واقعہ نگاری کا فرض ادا کریں بلکہ یہ بات بھی پیش نظر ہونی چاہئے کہ ان میں کیا خوبیاں تھیں اور کن اخلاق و اوصاف کی بدولت وہ مراتب علیا پر فائز ہوئے ایک روشن خیال مورخ کا خیال ہے کہ عوام میں اچھے کردار محض وعظ و نصیحت اور کتب اخلاق سے نہیں پیدا کئے جا سکتے بلکہ اس کا موثر طریقہ یہ ہے کہ عوام کو ایسی کتب کے مطالعہ کی ترغیب دی جائے جن میں مشاہیر کے کردار موثر پیرایہ میں پیش کئے گئے ہوں، میرے خیال میں تمام تاریخی افراد کو اس

نوعیت سے پیش کرنا چاہیئے کہ ان کے کردار کا عمدہ اثر پڑے، اس سے ایک بڑا فائدہ یہ حاصل ہوگا کہ لوگوں کو اپنے ملک کے گذشتہ مشاہیر سے ایک قسم کی محبت سی ہو جائے گی اور یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ کسی قوم کے اخلاف کا اپنے اسلاف سے محبت کرنا مقدمہ اور پیش خیمہ ہے قومی عروج وارتقاء کا۔

اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ کبھی ہم میں بھی حکومت اور انتظام سلطنت کی اہلیت تھی اور ہم اسی قوم کے افراد ہیں جس نے مٹنے اور مٹی میں ملنے کے بعد بھی نواب مختار الملک اور سرآسمانجاہ جیسی ہستیاں پیدا کیں جنھوں نے اپنی سیاسی قابلیت اور نظم ونسق کے لحاظ سے ساری دنیا کو محو حیرت بنا دیا۔

وہ جوہر ہوں فنا ہو کر اگر مٹی میں مل جاؤں
تو ہر ذرہ سے تربت کے کروں لعل وگہر پیدا (ہندی)

حیدرآباد ایک ایسی ریاست ہے جو عرصہ سے مسلمان بادشاہوں کے زیرنگین چلی آتی ہے اور یہ بھی خدا کی قدرت ہے کہ جہاں مسلمان کثیر تعداد میں تھے وہاں ان کی سلطنت قائم نہ رہ سکی برخلاف اس کے جہاں وہ قلیل التعداد تھے وہاں ان کی حکومت آج بھی قائم ہے، خدا اسے قائم ودائم رکھے کہ یہی اسلاف کی ایک یادگار رہے۔ چونکہ یہاں صدیوں سے مختلف حکومتیں یکے بعد دیگرے قائم ہوتی رہیں جو الگ الگ اور مختلف تہذیبوں کی حامل تھیں ان سب کا اثر اس ریاست پر پڑا اس کے علاوہ ہندوستان کے

دوسرے متصل حصوں کی حکومتیں بھی اپنے تمدنی اثرات سے اس کو متاثر کرتی رہیں، ساتھ ہی یہاں مختلف قومیں آباد ہیں اور دنیا کے ہر حصہ اور ہر اقلیم کے باشندے یہاں پائے جاتے ہیں جس کی وجہ سے اسے تمام دنیا کی مختلف تہذیبوں کا سنگم کہنا بیجا نہیں۔ ایسی صورت میں اس کتاب کے ذریعہ کم از کم عادل شاہی دور سے لے کر اس وقت تک کی مختلف تہذیبوں کے نمونے اجمالی طور پر ضرور ذہن نشین ہو جاتے ہیں مثلاً حضرت اویسؒ ثانی اور ان کے بیٹوں کے حالات کے ضمن میں یہ کچھ نہ کچھ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت سلطنت کی کیا حالت تھی اور بادشاہوں کے کیا خیالات ہوتے تھے، بعض خطوں کے قدیم حالات بھی معلوم ہوتے ہیں مثلاً ساحل کوکن وغیرہ، اس کے بعد سلطنت کا ضعف، مغلوں کا اقتدار، اورنگ زیب کی حکومت کا زور، اس کے سیاسی حالات محمد شاہ بادشاہ کا دور حکومت، اس کے اثرات، نادر شاہی حملہ، آصفجاہی حکومت، اس کے سیاسی نشیب و فراز، مرہٹوں کی ارتقائی حالت اور ضعف، انگریزی حکومت کا قیام اور تہذیب نو کی نشو و نما، غدر ۱۸۵۷ء اور اس کے اسباب وغیرہ کے متعلق کثرت سے معلومات حاصل ہوتی ہیں سلطنت آصف جاہیہ اور اس کے بانی حضرت آصفجاہ اوّل کے حالات و خیالات اور سلطنت دہلی کے متعلق اُن کی خیرخواہی آصفجاہ ثانی کی سیاسی رفتار، انگریزوں اور فرانسیسیوں کی رقابت، خانہ جنگی اور ہندوستان کی طوائف الملوکی پر بھی کافی روشنی پڑتی ہے۔

مصنف نے زیادہ تر اس بات کی کوشش کی ہے کہ ہر شخص کا عمدہ کردار

پیش کرے اور جہاں تک ممکن ہو اُن اعتراضات کو دفع کرے جو افراد کتاب پر وارد کیئے جاتے ہیں ممکن ہے کہ ہر جگہ مصنفہ کا خیال صحیح نہ ثابت ہو مگر اس میں بھی کوئی شبہہ نہیں کہ اعیان حکومت پر اعتراض کرنے والے اصحاب عموماً انصاف سے دور ہو جاتے ہیں، کسی بادشاہ یا وزیر پر اعتراض کرنے سے پہلے مورخ کو چاہیئے کہ ماحول گرو و پیش اور حکومتی مجبوریوں کو پیش نظر رکھے اور اس حقیقت کو نہ بھولے کہ کہنا اور شئے ہے اور کرنا اور شئے' مثال کے طور پر نواب سراج الملک بہادر وزیر سلطنت آصفیہ کو لے لیجئے اکثر لوگ انھیں مسئلہ برار میں ملزم ٹھہراتے ہیں حقیقت کا علم تو صرف خدا ہی کو ہے لیکن دلائل اور براہین کی روشنی میں انھیں ملزم ٹھہرانا بہت مشکل ہے' مصنفہ نے اس باب میں پوری تحقیق و تدقیق سے کام لیا ہے اور دلائل سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ جو کچھ ہوا مجبوری سے ہوا۔

اس کتاب کی ترتیب و تدوین میں جن کتب سے مدد لی گئی ہے ان میں سے بعض نہایت معتبر و مستند ہیں مثلاً خزانہ عامرہ' مآثر الامراءٔ حدیقۂ عالم' تاریخ فرشتہ بساطین السلاطین' مآثر عالمگیری' تاریخ امجدی رشید الدین خانی' خورشید جاہی' بستان آصفیہ حیدر آباد افرز' تاریخ عہد نامجات وغیرہ مگر نواب مختار الملک بہادر کے واقعات زیادہ تر مرقعہ عبرت سے لئے گئے ہیں۔ آج کل عام طور پر ارباب علم مآخذ کی کثرت اور ان کی قدر و منزلت کے لحاظ سے کسی تصنیف کو کوئی درجہ دیا کرتے ہیں اور یہ ایک حد تک درست و مناسب بھی ہے کیونکہ جس تصنیف کا ماخذ عمدہ ہو گا اور جیسے

سیکڑوں کتب کے مطالعہ کے بعد مرتب کیا جائے گا وہی بہترین تصنیف ہوگی لیکن یہ امر بھی چشم پوشی کے قابل نہیں کہ کثیر التعداد بڑی بڑی کتب کی ورق گردانی ہی سے کام نہیں چلتا اور نہ محض اس وجہ سے کسی کتاب کے اعتبار و عدم اعتبار پر کوئی حکم لگایا جا سکتا ہے کیونکہ عموماً مورخین ایک ہی واقعہ کو پیرایہ بدل بدل کر قدرے اختلاف کے ساتھ لکھتے ہیں اس لئے ماخذ کی تعداد بڑھانے پر غالباً مصنفہ نے زیادہ زور نہیں دیا۔

ایک خصوصیت اس کتاب کی یہ بھی ہے کہ اس میں سنین کے اختلافات کو رفع کرنے کی کوشش کی گئی ہے، کتب تاریخ میں اکثر یہ بات ناظرین کے لئے تکلیف دہ ثابت ہوتی ہے کہ مصنف کسی واقعہ کا سنہ وقوع کچھ لکھتا ہے اور مادہ تاریخ سے سنہ وقوع کچھ نکلتا ہے مگر اس کتاب میں ایسا کہیں نہ نظر آئے گا، ان تمام خوبیوں کے باوجود مصنفہ ہمیشہ اعتراف کرتی رہتی ہیں کہ انھوں نے اس کتاب میں بجز جمع و ترتیب کے کوئی خاص اہم کام انجام نہیں دیا، میں یہ عرض کرتا ہوں کہ جمع و ترتیب بھی تو نہایت اہم کام ہے، اس قحط الرجال کے زمانہ میں ایسے کتنے لوگ ہیں جو اس خوبی کے ساتھ اس کام کو بھی انجام دے سکیں،

خداوند تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اُن کے علم و عمر کو زیادہ کرے اور دنیا کو اُن کی قابلیت سے مستفید ہونے کا موقع عنایت فرمائے

خاکسار

محمد حامد خاں ہندی

حیدرآباد دکن

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خاندان سالار جنگ کی ابتدا

خاندان سالار جنگ کے موجودہ روشن چراغ عالی جناب نواب میر یوسف علی خاں بہادر سالار جنگ دام اقبالہٗ ہیں حضرت شیخ اویس ثانی رحمۃ اللہ علیہ آپ کی گیارھویں پشت میں گذرے ہیں اور شیخ موصوف کا سلسلۂ نسب سید التابعین وعاشق رسول حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے ملتا ہے، جن کا مرتبہ اہل اسلام سے پوشیدہ نہیں، آپ کا عشق رسولؐ میں والہانہ انداز اور رتبۂ فقر و ولایت زبان زد خاص و عام ہے، چنانچہ حکیم سنائی کہتا ہے۔

دورہا باید کہ تا یک مرد صاحب دل شود
بایزید اندر خراساں یا اویسؒ اندر قرن

اس کے علاوہ کتب سیر و احادیث آپ کے فضائل و مناقب سے بھری پڑی ہیں جن کا تذکرہ طوالت سے خالی نہیں، غالباً یہ انھیں بزرگوار کا روحانی فیض ہے کہ آج تک اس خاندان میں دین داری و دین پناہی کم و بیش اسی

شان کے ساتھ چلی آ رہی ہے،

صاحب تذکرہ "مرقعہ عبرت" اس خاندان کے سلسلہ کا ذکر کرتے ہوئے بغیر حوالہ و اظہار ماخذ کے تحریر فرماتے ہیں

اس خاندان کی ابتداء حضرت شیخ اویس قرنیؒ ہے

جو ایک نامی گرامی بزرگوار مدینہ منورہ کے تھے

شیخ موصوف سے نواب میر لایق علی خاں بہادر

صاحبزادہ اکبر نواب مرحوم تک چونتیس ۳۴ پشتیں

گذری ہیں،

(مرقعہ عبرت صہ ۳ مطبوعہ دکن)

اس قول کے مطابق عالی جناب نواب میر یوسف علی خاں بہادر سے حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ تک پینتیس پشتیں ہوتی ہیں، مزید وضاحت کے لئے شجرۂ نسب کے دو عکسی فوٹو جو ہمیں نواب صاحب بالقابہم کے کتب خانہ سے دستیاب ہوئے ہیں مقابل صفحات پر موجود ہیں،

شیخ اویس اور دنیاوی وجاہت

اس خاندان کے افراد کی دینی عظمت تو اظہر من الشمس ہے

لیکن کتب تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان آنے سے پہلے بھی انھیں دنیاوی اقتدار حاصل تھا، چنانچہ حضرت اویس ثانیؒ مدینہ منورہ میں متولیٔ اوقاف تھے جو اس وقت کا مہتم بالشان عہدہ تھا،

"شیخ موصوف کا ورود
ہندوستان میں"

شیخ اویس ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے کسی وجہ سے ترک وطن کا قصد فرمایا اور اپنے فرزند ارجمند شیخ محمد علی کے ساتھ مدینہ سے نکل کر کچھ دنوں بحرین میں قیام فرمایا اور اس کے بعد عازم ہندوستان ہوے، اس زمانہ میں جنوبی ہند کے ساحل پر علاقہ کوکن بہت مشہور تھا۔ اس میں کئی بندرگاہیں واقع تھیں، عربوں اور دوسرے ممالک کے سوداگروں کے جہاز انھیں بندرگاہوں پر ٹھیرتے تھے، چنانچہ شیخ موصوف بھی پہلے یہیں اترے اور کچھ دنوں قیام پذیر رہے، ذیل میں ہم کچھ کوکن کے حالات لکھتے ہیں کیونکہ آیندہ صفحات میں اس کا کئی مقامات پر ذکر آئے گا۔

عله تاریخ حدیقۃ العالم مصنفہ نواب میر عالم مرحوم

"علاقہ کوکن"

"کوکن ہندوستان کے جنوبی ساحل کا ایک نہایت زرخیز علاقہ تھا، قدیم زمانے میں یہاں نہایت مضبوط و مستحکم قلعے بنے ہوئے تھے اور کئی بندرگاہیں تھیں جن کی وجہ سے نہایت چہل پہل رہتی تھی'
پہلے اس علاقہ کا کچھ حصہ علی عادل شاہ کے قبضہ میں تھا اور کچھ نظام شاہ کے، لیکن نظام شاہیوں کے زوال کے بعد یہ تمام علاقہ علی عادل شاہ کے قبضہ میں چلا گیا۔
میرزا ابراہیم زُبیری مصنف بساطین السلاطین کوکن کے متعلق لکھتے ہیں

پوشیدہ نماند کہ کوکن ولایتے است وسیع و زرخیز واقع بر ساحل دریائے شور مشتمل بر قلاع حصینہ و حصارہائے مستحکمہ و بندرہائے زرخیز کہ ازان جملہ است بندر چیول و بندر دابول وہنگولہ و شامستی وغیرہ و پارۂ ازاں بوم کوہستان و درہا وسنگلاخہا است و بعضے بیشہ و جنگل و بیشمار جنس محصول آن ولایت نارجیل و فلفل کہ صحرا صحرا درخت زارہا است از سابق الایام انچہ بملک بیجاپور اتصال داشت

بعادل شاہ تعلق داشت و اکثرے از ان بہ نظام شاہ چوں سلطنت نظام شاہیان منصرم شد و ملک نظام شاہی میان عادل شاہ و شاہ جہان تقسیم یافت کوکن نظام شاہی بتمامہ بہ عادل شاہ تعلق گرفت، سلطان محمد عادل شاہ اکثر آن ولایت را بہ اقطاع شہامت پناہ ملا احمد نائتہ مقرر فرمود۔

"بساطین السلاطین ص ۳۶۹ بستان ہفتم"

"کوکن سے بیجاپور"

کوکن میں کچھ دنوں مقیم رہنے کے بعد آپ بیجاپور تشریف لے گئے اس زمانہ میں بیجاپور علماء، فضلاء، و شعراء کا ملجا و ماوی اور علم و فضل کا گہوارہ بنا ہوا تھا، اکناف عالم سے ارباب کمال و اصحاب رشد تشریف لاتے اور دربار شاہی میں باریاب ہوکر شادکام ہوتے تھے، جن دنوں آپ بیجاپور پہونچے اُن دنوں علی عادل[1] شاہ ثانی وہاں کا حکمراں تھا، اس نے آپ کی بہت

---

[1] علی عادل شاہ ثانی (۱۶۵۶ء تا ۱۶۷۲ء) بڑا بہادر اور صاحب علم و فضل بادشاہ تھا، اس کے عہد میں زبان اردو کو بہت ترقی ہوئی خود بھی شاعر تھا اور شاعروں کی بڑی عزت کرتا تھا چنانچہ ملا نصرتی بھی اسی کے دربار کا شاعر تھا، شعراء کے علاوہ دور دراز ملکوں کے علماء، فضلاء، اور صلحا اس کے دربار میں جمع ہو گئے تھے،

تنظیم کی اور بیجاپور میں قیام کرنے پر مجبور کیا چنانچہ آپ درگاہ قدم رسول کے پاس فروکش ہوئے۔

"شیخ محمد علی کی شادی"

جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا ہے، شیخ اویسؒ کے ہمراہ ان کے فرزند شیخ محمد علی بھی تھے، یہ نہایت زبردست فاضل اور ذی لیاقت تھے چنانچہ علی عادل شاہ نے ان کی قابلیت سے متاثر ہو کر عہدۂ دبیری پر فائز کر دیا، اور کچھ دنوں بعد ان کی شادی ملا احمد نائتہ مدار المہام حکومت کی صاحبزادی سے ہو گئی جن سے دو فرزند شیخ محمد باقر اور شیخ محمد حیدر تولد ہوئے۔

"ملا احمد"

ملا احمد ایک نہایت عالم و فاضل اور یکتائے زمانہ شخص تھے جن کا تعلق قوم نوایت سے تھا، کہتے ہیں کہ لفظ 'نائت' نوآمد' کی بگڑی ہوئی صورت ہے اور 'نوائت' نائت کی جمع ہے' یہ لوگ شرفائے عرب میں سے تھے جو ترک وطن کر کے جنوبی ہند میں آباد ہو گئے، قصہ یوں ہے کہ حجاج بن یوسف "جو اپنی ستم رانیوں کی وجہ سے تمام دنیا میں مشہور رہے" جب برسر اقتدار ہوا تو عرب کے شرفا اور اکابرین کو ستانا اور قتل کرنا

شروع کیا چنانچہ اس خوف سے یہ لوگ اِدھر اُدھر منتشر ہوگئے اور جس کو جہاں سہولت ہوئی وہاں سکونت پذیر ہوا، انہیں مہاجرین میں سے بنی قریش کا ایک گروہ ۲۰۵ھ میں جنوبی ہند کے ساحلی مقام کوکن میں آکر آباد ہوگیا اور نوایت کے لقب سے موسوم ہوا، ملّا احمد بھی اسی قبیلہ سے تھے اور اپنی ذہانت و فطانت کی بدولت ترقی کرتے کرتے سلطنت علی عادل شاہ کے مدارالمہام ہوگئے، لیکن آخر میں جب عالمگیر نے اپنے تخت نشین ہونے کے آٹھویں سال مرزا راجہ جے سنگھ کو ولایت بیجاپور کی تسخیر کے لئے روانہ کیا تو ملّا احمد نے علی عادل شاہ کی ملازمت ترک کردی اور راجہ مذکور سے[1] مل کر ملازمت عالمگیری کے خواہشمند ہوئے۔

---

[1] میر عالم بہادر مرحوم نے "حدیقۃ العالم" میں اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے جسے ہم بجنسہٖ نقل کرتے ہیں۔

پس از چندے از رفاقت عادل شاہ دل بر داشتہ شدہ و ملازمت عالمگیر بادشاہ مرکوز خاطر ساختہ فرصت وقت می جست تا انکہ در سال ہشتم عالمگیری مرزا راجہ جے سنگھ بعد از کفایت مہم سیوا با لشکر گران بہ تاخت ولایت بیجاپور متعین گشت، عادل شاہ بملاحظہ سوابق جرائم و تقصیرات خویش از خواب گران غفلت بیدار شدہ ملّا احمد را کہ بفہمیدگی و کاروانی از سائر امرا امتیاز داشت بجہت اصلاح کار

"ملا یحییٰ برادر خورد ملا احمد"

ملا احمد کے اس ارادہ سے پہلے ان کے چھوٹے بھائی
ملا یحییٰ سال ششم عالمگیری میں بیجاپور کی ملازمت ترک کر کے
دربار عالمگیر میں پہنچ چکے تھے، جہاں انھیں منصب دو ہزاری
ملا اور مرزا راجہ جے سنگھ کے ہمراہ تسخیر بیجاپور کے لئے متعین
ہوئے تسخیر بیجاپور کے بعد انھیں مخلص خاں کا خطاب ملا اور
ان کے فرزند زین الدین علی خاں اور داماد عبدالقادر
معتبر خاں دونوں بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوئے چنانچہ

(بقیہ حاشیہ صـ) و تمہید مراسم اعتذار و تجدید مراتب قول و قرار نزد راجہ فرستاد
ملا احمد کہ دریں وقت تمنائے دلی او بظہور آورد و چنیں تقریب را مغتنم
شناختہ در پائے قلعہ پرندھر سنہ ہزار و ہفتاد و شش ہجری براجہ
پیوست و باظہار مکنون ضمیر خویش پرداخت چون این معنی بپادشاہ
ظاہر شد فرمان طلب بنام او عز صدور یافتہ بعاطفت خسروانہ غائبانہ
او را بمنصب شش ہزاری شش ہزار سوار نواخت و بمرزا راجہ ایما شد کہ
ملا احمد بعد رسیدن حضور بخطاب سعد اللہ خاں و در خور استعداد او
بخدمت عمدہ سرفرازی خواہد یافت، او را خرج راہ دادہ روانہ حضور
باید نمود راجہ حسب الحکم حضور دو لک روپیہ بشار الیہ و پنجاہ ہزار
روپیہ بہ پسرش از سرکار والا دادہ روانہ درگاہ سلطانی گردانید ملا احمد

معتبر خاں کو کوکن کی فوجداری ملی جس کو انہوں نے نہایت خیر و خوبی کے ساتھ انجام دیا اور کوکن کے علاقہ کو جو مرھٹوں کا ملجا و ماویٰ تھا، ان کے فسادات سے پاک و صاف کر دیا، ان خدمات کا بادشاہ عالمگیر پر ایسا اچھا اثر پڑا کہ وہ ان کی ہر بات کو منظور کر لیتے اور کہتے کہ "مثل معتبر خاں نوکر می باید"

"ملّا احمد کی ناکامی"

اور

"بیٹوں کی سرفرازی"

ملّا احمد نے دربار عالمگیری تک پہونچنے سے پہلے ہی پونا میں انتقال کیا البتہ ان کے بیٹے محمد اسد حسب فرمان شاہی

(بقیہ حاشیہ صث) چوں باحمد نگر رسید از جام اجل شربت ناکامی چشید، انتھی

اس واقعہ کے متعلق محمد کاظم بن محمد امین مخاطب بہ میرزا کاظم "عالمگیر نامہ" میں لکھتے ہیں،

چوں عادل خاں حاکم بیجاپور قبل ازیں مصدر برخے تقصیرات کہ ازاں جملہ تاخیر و اہمال در ایصال وجوہ پیش کش بود گشتہ در ایں اوقات برائے اصلاح کارہائے ناہنجار خویش "ملّا احمد نائتہ را کہ در سلک عمدہا و اعاظم دولت او انتظام داشتہ نزد راجہ فرستادہ بود بست و ششم ربیع الاول کہ او پیش کردہ ہی معسکر ظفر اثر رسید راجہ او دیراج منشی خود را باستقبال او فرستاد و ملّا یحییٰ برادرش را کہ مدتے قبل ازیں

آغاز سال نہم عالمگیری میں دربار پہونچے اور منصب ہزار و پانصدی وخطاب اکرام خان سے سرفراز ہوئے اور ان کے علاوہ اور بہت سی مراعات ان کے ساتھ دربار شاہی سے کی گئیں۔

شیخ محمد باقر و شیخ محمد حیدر

گذشتہ اوراق میں یہ ظاہر کیا جا چکا ہے کہ ملا احمد کی صاحبزادی کے بطن سے شیخ محمد علی کے دو فرزند ہوئے شیخ محمد باقر اور شیخ محمد حیدر، ان میں سے اول الذکر عہدۂ میر سامانی پر فائز ہوئے اور ان کی شادی شیخ علی خاں کی ہمشیر سے ہوئی جو عہد علی عادل شاہی میں اعیان حکومت میں سے تھے، ان کی دوسری بہن ملا احمد کے چھوٹے بھائی ملا یحییٰ

(بقیہ حاشیہ صث) چنانچہ گذارش یافتہ بیاوری طالع در سلک بندہ ہائے درگاہ آسمان جاہ منسلک گشتہ دراں جیش فیروزی بود نیز دستوری دیدنش داد و پس از سہ روز کہ ساعت ملا احمد بود راجہ مقرر نمود کہ راجہ رائے سنگھ و کیرت سنگھ رفتہ اورا بیا ورند و آنہا اندک مسافتے طے کردہ در اثنائے راہ با او برخوردند و اورا آوردہ براجہ ملاقی ساختند آن عمدہ راجہائے عظام مراسم نکو داشت و احترامش بجائے آورد و دو اسپ عراقی با ساز طلا و یک زنجیر فیل با سازہ نقرہ و دو تقوز از نفائس اقمشہ باو دادہ بادطان خویش رخصت نمودہ عادل خان مصحوب او دو زنجیر فیل و برخے جواہر و مرصع آلات برائے راجہ فرستادہ بود (عالمگیر نامہ ص٩٠٦)

مخلص خاں سے منسوب تھیں جن کے بطن سے زین الدین علی خاں تھے

موخرالذکر یعنی شیخ محمد حیدر مستوفی الممالک کے جلیل القدر عہدے پر فائز ہوئے اور دونوں حضرات اپنی اپنی خدمات کو بحسن و خوبی انجام دیتے رہے

"شیخ محمد علی کے دونوں"
"بیٹوں کا تعلق حکومت مغلیہ"
'سے'

شیخ محمد باقر اور شیخ محمد حیدر دونوں سکندر عادل شاہ کے عہد حکومت تک اپنے اپنے فرائض انجام دیتے رہے لیکن اخیر میں بادشاہ مذکور کے وزیر مصطفیٰ خاں کی مخالفت سے تنگ آکر شاہ عالمگیر کی خدمت میں عرضی روانہ کی' چنانچہ بادشاہ نے طلب فرمایا اور بعد حصول حضوری شیخ محمد باقر منصب دو ہزاری و وپانصدی سہ صد سوار اور عہدۂ دیوانی شاہ جہاں آباد و کشمیر پر فائز ہوئے اور شیخ محمد حیدر منصب ہزار و پانصدی سہ صد سوار اور عہدۂ دیوانی فوج شاہزادۂ محمد اعظم شاہ سے سرفراز ہوئے دونوں بھائیوں نے کچھ دنوں اسی طرح گذارہ کیا' آسد خاں وزیر اعظم اور ان کے بیٹے ذوالفقار خاں امیرالامراء بلکہ' تمام

اراکین حکومت ان لوگوں سے نہایت خلوص اور ربط و ضبط رکھتے تھے۔

"شیخ محمد باقر اور تلنگکن کی دیوانی"

شیخ محمد باقر نے شمالی ہند سے اکتا کر بذریعہ اسد خاں وزیر اعظم بادشاہ کی خدمت میں عرضی گذرانی کہ ہندوستان کی آب و ہوا میرے مزاج کے موافق نہیں اس لئے دکن میں مجھے متعین کیا جائے، چنانچہ بادشاہ نے نہایت مہربانی کے ساتھ تلنگکن نظام شاہی عادل شاہی کی دیوانی مرحمت فرمائی اور رخصت کیا

"شیخ محمد باقر کی وفات"

دکن میں کچھ عرصہ تک خدمت مفوضہ انجام دینے کے بعد یہ مستعفی ہو کر اورنگ آباد میں اقامت گزیں ہوگئے، تا مدت حیات جاگیر ذات بحال اور خدمت معاف رہی ۱۱۲۵ھ میں آپ نے وفات پائی۔

"استعداد علمی اور تصانیف"

یہ علوم عقلیہ و نقلیہ کے ماہر اور زبردست فاضل تھے، اسد خاں

و ذوالفقار خاں اور تمام امرائے دربار عقیدت رکھتے تھے
کئی تصانیف یادگار چھوڑیں، جنمیں سے دو مشہور ہیں۔
(۱) تلخیص المرام فی علم الکلام ۔جو علم کلام (یعنی اصول عقائد
اسلام) کی ایک بلند پایہ کتاب ہے۔
(۲) زوضتہ الانوار و زبدۃ الافکار جو فلسفہ میں لکھی گئی ہے
اس کتاب کا یہ نام جیسا کہ خود مصنف نے دیباچہ میں لکھا ہے
علامۂ زماں و فہامۂ دوراں مولانا محمد فصیح تبریزی نے مطالعہ کے
بعد رکھا تھا۔

"شیخ محمد باقر کے بیٹے"

"شیخ محمد تقی"

آپ بعہد عالمگیر بادشاہ منصب سہ صدی پر اور بعہد
بہادر شاہ بادشاہ منصب پانصدی پر فائز رہے، فرخ سیر نے
اپنے زمانہ حکومت میں آپ کو خجستہ بنیاد اورنگ آباد میں داروغۂ
جزیہ مقرر کیا، اور جب نظام الملک آصفجاہ بہادر وزیر دکن مقرر
ہوئے تو انھوں نے افواج قلعہ جات کا افسر اعلی بنادیا۔ ۱۱۴۰ھ
میں آپ نے وفات پائی

؎ صاحب تذکرۂ مرقعہ عبرت ان کتابوں کے متعلق تحریر فرماتے ہیں"
ان کی تصانیف میں سے یہ دو کتابیں بہت مشہور ہیں۔

"شمس الدین محمد حیدر"

آپ شیخ محمد تقی کے فرزند تھے ۱۱۲۳ھ میں پیدا ہوئے مادہ تاریخ ولادت عالی بخت ہے، عہد عالمگیری میں بحالت طفولیت منصب صدی پر فائز ہوئے، سن رشد کو پہونچنے کے بعد نواب آصفجاہ بہادر نے منصب دوصدی اور داروغگی فیلخانہ سے سرفراز فرمایا، اپنے والد ماجد کے انتقال کے بعد ترقی پاکر سہ صدی ہوئے۔

"نواب آصفجاہ بہادر کا"
"آپ پر اعتماد"

نادر شاہی حملے کے وقت جب "نواب مغفرت مآب" دکن سے شاہ جہاں آباد تشریف لے گئے تو آپ ہمرکاب تھے آخر کار عرض بیگی کی خدمت پر مامور ہوئے، جنگ کے بعد حیدر یار خاں خطاب ہوا

(بقیہ حاشیہ صد۱۳)

عنہ علامۃ الزمن جو علم بلاغت میں ہے

سہ قیامۃ الاقران جس میں چند مشکل اصول فلاسفہ کی بحث ہے، ان بھائیوں کی وفات کے بعد مولانا محمد فصیح تبریزی نے ان کتابوں کا نام بدل کر روضۃ الانوار اور زبدۃ الافکار رکھا انتھیٰ ۱۲

حیدر یار خاں شیر جنگ منیر الدولہ منیر الملک

چنانچہ مصنف تاریخ رشید الدین خانی لکھتے ہیں

(۱۱۹۴ھ کے آواخر میں مغفرت مآب، خلف ارجمند نظام الدولہ میر احمد علی خاں بہادر ناصر جنگ کو دکن کا صوبہ دار اور محمد ابوالخیر خاں بہادر کو صاحبزادۂ موصوف کے پاس متعین کر کے شاہ جہاں آباد کو روانہ ہوئے اور شمس الدین محمد حیدر کو جو فیلخانہ کے داروغہ تھے سہ صدی کے منصب سے سرفراز کر کے عرض بیگی کی خدمت ان کے متعلق کی۔

اس کے بعد لکھتے ہیں۔

آخر ماہ ربیع الاول ۱۱۵۰ھ میں ملازمت سے سرفراز ہو کر اکبر آباد اور مالوہ کے صوبہ دار مقرر ہوئے۔ اس سے چند روز کے بعد نادر شاہ والی ایران، سلطان ہند کی بے انتظامیاں سن کر ۱۱۵۱ھ میں دہلی میں نازل ہوا اور ساکنان دہلی کو وہ وہ اذیتیں پہونچائیں کہ معاذ اللہ منہا آخر کار نواب کی حسن رائے سے اس کا تصفیہ ہوا

(بقیہ صفحہ ۱۴) اس کتاب کا اکثر حصہ میر عالم مرحوم کی کتاب حدیقۃ العالم سے ماخوذ ہے جس کی عبارت یوں ہے،

'از تصانیف اوست تلخیص المرام فی علم الکلام و کتاب ضخیم دیگر است دربیان اصول خمسہ کہ بسیاری از مسائل غامضہ حکمت دران مندرج ساختہ' در دیباچہ این کتاب نوشتہ علامۃ الزمان فہامۃ الاقران مولانا محمد فصیح تبریزی بعد ازانکہ این تالیف را از اول تا آخر بشرف مطالعہ درآوردند روضۃ الانوار

انہیں ایام میں شمس الدین محمد حیدر کو دو سو کا اضافہ کر کے پانچسو کا منصب اور حیدر یار خاں خطاب نواب نے عطا کیا نواب مغفرت مآب ان پر اس قدر اعتماد کرتے تھے کہ جب نادر شاہ کے پاس تشریف لے جاتے تو بجز ان کے اور درگاہ قلی خاں کے کوئی ساتھ نہ ہوتا تھا یہ وہی نواب درگاہ قلی خاں ہیں جن کی صاحبزادی سے آپ کے صاحبزادے غیور جنگ بہادر کی شادی ہوئی اس لئے یہاں ان کا مختصر طور پر تذکرہ کیا جاتا ہے۔

"نواب درگاہ قلی خاں"
"سالار جنگ"

ان کا خاندان قبیلہ بوربور سے تعلق رکھتا ہے جو نواح مشہد مقدس میں تھا ۹ رجب المرجب ۱۱۲۰ھ کو سنگمیر میں پیدا ہوئے

(بقیہ حاشیہ صـ۱۳) و زبدۃ الافکار نامیدند

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ پہلی کتاب کا نام تلخیص المرام ہے اور وہ علم کلام میں ہے صاحب تذکرہ نے علم کلام سے علم بلاغت سمجھ لیا وعلی ہذا القیاس دوسری کتاب کے متعلق یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے دیباچہ میں مصنف نے تحریر کیا ہے کہ اس کو علامہ زمان و فہامہ اقران مولانا محمد فصیح تبریزی نے دیکھکر روضۃ الانوار و زبدۃ الافکار نام رکھا صاحب تذکرہ نے اس عبارت سے نہ معلوم یہ کیسے سمجھ لیا کہ یہ دونوں کتابوں کے نام ہیں جو بجز ل

نادر قلی خان سالار جنگ موتمن الدولہ خان دوران

تاریخ تولد خود فرماتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صہ۲۳) کرکے لکھے گئے ہیں اور پہلے ان کا نام علامۃ الزمن اور نہامۃ الاقران تھا حالانکہ یہ دونوں کلمے مولانا محمد فصیح کے نام کے ساتھ بطور القاب کے لائے گئے ہیں

ببین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

ان کتابوں کے متعلق مانک راؤ وٹھل صاحب صاحب بستان آصفیہ نے حسب ذیل عبارت رقم فرمائی ہے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے بھی مرقعہ عبرت پر اعتبار کیا ہے اور حدیقہ کو دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں فرمائی۔

فن فلاغت میں علامۃ الزمن اور علم فلسفہ میں فہامۃ الاقران انھیں کی تصنیف سے ہیں مولانا محمد فصیح تبریزی نے ان کتابوں کا نام بدل کر روضۃ الانوار اور زبدۃ الافکار رکھا اب انھیں ناموں سے مشہور ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

بقیہ حاشیہ صہ۱۶

صہ۳ کتب تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ نادر شاہ نے بتاریخ ۲۴ ذی قعدہ ۱۱۵۱ھ اولاً حضرت مغفرت مآب کو پھر بتاریخ ۲۶ ذیقعدہ ۱۱۵۱ھ محمد شاہ اور فیروز جنگ کو بلاکر نظر بند کرلیا اس وقت حضرت مغفرت مآب کی رفاقت میں بجز نواب درگاہ قلی خاں اور نواب حیدر خاں شیر جنگ کے کوئی رفیق و جان نثار موجود نہ تھا اور اس کے بعد جب دلی میں قتل عام کا بازار گرم ہوا تو خصوصیت کے ساتھ نواب درگاہ قلی خاں نے تو قوت بشری سے زیادہ ہمت و جرأت سے کام لیا چنانچہ غلام علی آزاد بلگرامی خزانہ عامرہ میں رقمطراز ہیں

درہنگام نادر شاہی نواب درگاہ قلی خاں ہمراہ رکاب بود و جانفشانی ہا فوق طاقت بشری بتقدیم رساند صہ۲۲۳

تاریخ تولد خود فرماتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صد ۲۳) کر کے لکھے گئے ہیں اور پہلے ان کا نام علامۃ الزمن اور فہامۃ الاقران
تھا حالانکہ یہ دونوں لکھے مولانا محمد فصیح کے نام کے ساتھ بطور القاب کے لائے گئے ہیں

بلبین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

ان کتابوں کے متعلق مانک راؤ وٹھل صاحب صاحب بستان آصفیہ نے حسب ذیل
عبارت رقم فرمائی ہے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے بھی مرقعہ عبرت پر اعتبار کیا
ہے اور حدیقہ کو دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں فرمائی۔

فن فلاغت میں علامۃ الزمن اور علم فلسفہ میں فہامۃ الاقران انھیں کی تصنیف
سے ہیں مولانا محمد فصیح تبریزی نے ان کتابوں کا نام بدل کر روضۃ الانوار
اور زبدۃ الافکار رکھا اب انھیں ناموں سے مشہور ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

بقیہ حاشیہ صد ۱۶

۲۳ کتب تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ نادر شاہ نے بتاریخ ۲۴ ر ذی قعدہ ۱۱۵۱ھ
اولاً حضرت مغفرت مآب کو پھر بتاریخ ۲۶ ر ذیقعدہ ۱۱۵۱ھ محمد شاہ اور فیروز جنگ کو
بلا کر نظر بند کر لیا اس وقت حضرت مغفرت مآب کی رفاقت میں بجز نواب
درگاہ قلی خاں اور نواب حیدر خاں شیر جنگ کے کوئی رفیق و جان نثار موجود
نہ تھا اور اس کے بعد جب دلی میں قتل عام کا بازار گرم ہوا تو خصوصیت کے ساتھ
نواب درگاہ قلی خاں نے تو قوت بشری سے زیادہ ہمت و جرأت سے کام لیا چنانچہ
غلام علی آزاد بلگرامی خزانہ عامرہ میں رقمطراز ہیں

درہنگام نادر شاہی نواب درگاہ قلی خاں ہمراہ رکاب بود و جانفشانی ہا فوق
طاقت بشری بتقدیم رساند صد ۲۲۳

اپنی جاگیر نظام آباد چلے آئے اور ۱۵ر جمادی الاولی سنہ ۱۱۸۰ھ کو بمرض سرسام عازم ملک بقا ہوئے مصرعہ تاریخ میر غلام علی ارشد اوجینی نے کہا تھا۔ مصرعہ

اہل عالم سینہ چاک از ماتم سالار جنگ

ایک مصرعہ تاریخی کسی دوسرے شاعر نے یوں کہا تھا۔ ع

یکہزار و یکصد و ہشتاد سال

نعش نظام آباد سے لاکر اورنگ آباد میں دفن کی گئی، آپ نے ایک صاحبزادی اور دو صاحبزادے چھوڑے، صاحبزادی۔ محمد صفدر خاں بہادر، غیور جنگ ابن نواب شیر جنگ سے منسوب ہوئیں جن کا ذکر آیندہ صفحات پر آئے گا۔

علمی حیثیت سے بھی آپ کا پایہ بلند تھا چنانچہ آپ کا تذکرہ "دہلی در قرن دوازدہم" بہت مشہور و معروف ہے جس سے عہد محمد شاہ رنگیلے کے بہت سے ایسے واقعات معلوم ہوتے ہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸) ناظم اورنگ آباد ہوئے مصنف تاریخ امجدی لکھتے ہیں"

و در یکہزار و یکصد و ہفتاد و ہشت اسماعیل خاں بہادر صوبہ داری ملک برار از عزل غلام سید خاں معین الدولہ سہراب جنگ بہادر مرحمت فرمودند و غلام سید خاں را بہ نظامت خجستہ بنیاد از عزل سالار جنگ درگاہ قلی خاں مستمال داشتند۔

تعین سنہ میں حدیقۃ عالم اور تاریخ امجدی متفق نہیں ہیں غالباً اسماعیل خاں کی صوبہ داری برار پر فائز ہونے کے کچھ دنوں بعد غلام سید خاں ناظم اورنگ آباد ہوئے۔

اپنی جاگیر نظام آباد چلے آئے اور ۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۱۸۸ھ کو بمرض سرسام عازم ملک بقا ہوئے مصرعہ تاریخ میر غلام علی ارشد اوجینی نے کہا تھا۔ مصرعہ

اہل عالم سینہ چاک از ماتم سالار جنگ

ایک مصرعہ تاریخی کسی دوسرے شاعر نے یوں کہا تھا۔ ع

یکہزار و یکصد و ہشتاد و سال

نعش نظام آباد سے لاکر اورنگ آباد میں دفن کی گئی، آپ نے ایک صاحبزادی اور دو صاحبزادے چھوڑے، صاحبزادی۔ محمد صفدر خاں بہادر، غیور جنگ ابن نواب شیر جنگ سے منسوب ہوئیں جن کا ذکر آئندہ صفحات پر آئے گا۔

علمی حیثیت سے بھی آپ کا پایہ بلند تھا چنانچہ آپ کا تذکرہ "دہلی در قرن دوازدہم" بہت مشہور و معروف ہے جس سے عہد محمد شاہ رنگیلے کے بہت سے ایسے واقعات معلوم ہوتے ہیں

(بقیہ حاشیہ صـ۱۸) ناظم اورنگ آباد ہوئے مصنف تاریخ امجدی لکھتے ہیں"

و در یکہزار و یکصد و ہفتاد و ہشت اسماعیل خاں بہادر صوبہ داری ملک برار از عزل غلام سید خاں معین الدولہ سہراب جنگ بہادر مرحمت فرمودند و غلام سید خاں را بہ نظامت خجستہ بنیاد از عزل سالار جنگ درگاہ قلی خاں متمال داشتند۔

تعین سنہ میں حدیقۂ عالم اور تاریخ امجدی متفق نہیں ہیں غالباً اسماعیل خاں کی صوبہ داری برار پر فائز ہونے کے کچھ دنوں بعد غلام سید خاں ناظم اورنگ آباد ہوئے۔

اردو کے اشعار مرثیہ کے ہیں اور صاحب تذکرہ "تمنا" نے نقل کئے ہیں۔

"حیدر یار خاں کی ترقی"

نواب ناصر جنگ کی اسیری کے بعد حیدر یار خان منصب شش صدی پر اور فتح ترچنا پلی کے بعد منصب ہشت صدی پر فائز ہوئے۔ نواب مظفر جنگ بہادر کے عہد میں آپ کو منصب ہزار و پانصدی مرحمت ہوا اور امیر الممالک نواب صلابت جنگ بہادر کے زمانہ میں پہلے منصب پنج ہزاری و چار ہزار سوار و پالکی جھالردار و علم و نقارہ و خطاب منیر الدولہ شیر جنگ سے سرفراز اور دوسری مرتبہ منصب ہفت ہزاری و ماہی مراتب و خطاب منیر الملک و عہدۂ میر سامانی سرکار والا سے ممتاز ہوئے۔ کچھ دنوں بعد دیوانی سرکار اور پھر دیوانی صوبہ جات دکن تفویض ہوئی۔ چنانچہ دیوانی صوبجات دکن کی تاریخ وزارت خاں اورنگ آبادی نے لکھی تھی۔

شد بحکم تو بزم نورانی   از مصابیح فضل یزدانی
از برائے صلاح خلق اللہ   باز رونق گرفت دیوانی

سنہ ۱۱۶۶ھ

(تاریخ خورشید جاہی)

نواب صلابت جنگ پر آپ کا بہت اثر تھا کیونکہ آپ
ہی کے مشورہ سے وہ تخت نشین ہوئے تھے مصنف بستان آصفیہ
لکھتے ہیں۔

امیر الممالک آصف الدولہ نواب سید محمد خاں صلابت جنگ
بعد شہادت نواب مظفر جنگ، نواب شیر جنگ کے
مشورہ سے اورنگ آباد میں تخت نشین ہوئے

(بستان آصفیہ)

عہد آصف جاہ ثانی

اور

"آپ کا اعزاز"

آصف جاہ ثانی نواب نظام علی خاں بہادر کے عہد میں
جب رکن الدولہ بہادر مدار المہام تھے۔ امراء دربار میں آپ کی
بڑی توقیر تھی رکن الدولہ آپ کی بڑی عزت کرتے تھے اور چچا کہہ کے
خطاب کرتے تھے چنانچہ مصنف خورشید جاہی رقمطراز ہے۔

نواب رکن الدولہ اپنے عہد مدار المہامی میں آپ کو
عمو صاحب کہتے تھے اور عرضی لکھتے تھے اور آپ
بزرگانہ طور پر ان کے ساتھ سلوک کرتے تھے۔

(خورشید جاہی)

اس کے علاوہ بڑے بڑے سیاسی امور آپ ہی کے

مشورہ سے طے پاتے تھے لیکن قبل اس کے کہ ان
امور کی تفصیل کی جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ
رکن الدولہ بہادر اور ان کی وزارت کے کچھ حالات
قلمبند کئے جائیں تاکہ آیندہ حالات کے سمجھنے میں
سہولت ہو۔

"احتشام جنگ رکن الدولہ بہادر"

میر محمد یار نام اور رکن الدولہ میر موسیٰ خاں احتشام جنگ
خطاب تھا ان کے اجداد بخارا کے رہنے والے تھے، سب سے
پہلے دادا وارد ہندوستان ہوئے اور نواب غازی الدین خاں
فیروز جنگ کے فرزند میر قمر الدین خاں آصف جاہ اول کی تعلیم
دینے پر مامور ہوئے ترکی خاں ان کو خطاب ملا۔ ان کے فرزند
میر موسیٰ تھے جو دیور کنڈہ کی وقائع نگاری پر مامور کئے گئے پھر
مظفر جنگ کے یہاں ایک رسالہ کے افسر مقرر ہوئے ان کے بعد
ان کے فرزند میر محمد یار کو باپ کی جگہ مقرر کیا گیا نواب مظفر جنگ کے
مارے جانے کے بعد صلابت جنگ نے محمد یار کو موسی خاں کے
خطاب اور ایک رسالہ کی افسری سے سرفراز فرمایا، آصف جاہ ثانی کے
عہد میں یہ مدار المہامی پر فائز ہوئے جس زمانہ میں نواب ممدوح
رگھوناتھ راؤ سے صلح فرمارہے تھے اسی زمانہ میں انھیں مدار المہامی ملی

اور خطاب احتشام جنگ رکن الدولہ سے بھی سرفراز ہوئے۔
ان سے پہلے راجہ پرتاب ونت وٹھل داس مدار المہام تھے جو
رگوناتھ راؤ مذکور کے مقابلہ میں مارے گئے۔ رگھناتھ راؤ نارائن راؤ
پیشوا کا چچا تھا جب پیشوائے مذکور اپنے باپ کا جانشین ہوا تو
بہت زیادہ شورش برپا کی یہاں تک کہ خود مختار ہوگیا اور نظام دکن
پر فوج کشی کی چنانچہ ۲۳ شعبان ۱۱۷۷ھ کو نواب آصفجاہ ثانی
اس کی تادیب کے لئے روانہ ہوئے اور قلعہ بیدر پر مقابلہ ہوا۔
ایک ماہ تک جنگ ہوتی رہی جس سے نواب ممدوح کو نقصان
پہونچا آخر کار طرفین میں صلح ہوگئی، اس واقعہ کے متعلق صاحب
تاریخ امجدی لکھتا ہے۔

وچشم زخم عظمیٰ باولیائے دولت ابد رسید، نواب
ممدوح مکدر خاطر شدہ باورنگ آباد رونق افروز شدند
وارادۂ گوشمال قرار واقعی تبصمیم دل نمودند۔ امرائے
دولت این معنی را غیر مناسب دانستہ مزاج مبارک
را ازان طرف گردانیدند و معاند مخذول را بنامہ و
پیام رضامند کردہ بمصالحت پرداختند درین مصالحت
میر موسیٰ خاں بخلعت مدار المہامی مباہی و بخطاب
احتشام جنگ رکن الدولہ مخاطب شدند۔

مصنف تاریخ رشید الدین خانی اس واقعہ کو باین الفاظ تحریر کرتے ہیں۔

میر موسیٰ خان رکن الدولہ

نواب ممدوح یہ خبر (یعنی رگھناتھ راؤ کے مقابلہ میں شکست کی خبر سن کر رنجیدہ خاطر ہو کر اورنگ آباد میں رونق افروز ہوئے اور پورے طور پر گوشمال کا ارادہ کیا لیکن امرائے دولت نے اس امر کو نامناسب سمجھ کر نواب کے قصد کو متغیر کر دیا اور معاندین کو نامے سے رضامند کر کے صلح کر لی اس عرصہ میں میر موسیٰ خاں مدارالمہامی کی خلعت سے سرفراز ہوئے اور احتشام جنگ رکن الدولہ کا خطاب عنایت ہوا اور غلام سید خان کو معین الدولہ سہراب جنگ کا خطاب ملا اور نظامت صوبہ برار سے سرفرازی حاصل کر کے اس طرف روانہ کیا

(رشید الدین خانی)

اس کے بعد مصنف مذکور نواب شیر جنگ بہادر کے نواب رکن الدولہ بہادر کی وزارت میں وخیل کار ہونے کا تذکرہ یوں فرماتے ہیں۔

شیر جنگ نے حیدر یار خاں بہادر جو قدیم امیر آصفجاہی تھے اور لشکر اور سپاہ کے تمام معزز لوگوں سے اُن کو واقفیت تھی اور نواب صلابت جنگ کے عہد سے سات ہزار کے منصب اور سات ہزار سوار اور جھالر دار

پالکی اور ماہی مراتب اور منیر الملک کے خطاب سے
بقول میر عالم بہادر ممتاز تھے اور اول دیوانی سرکار
اور بعد ازاں دیوانی صوبہ جات دکن سے سرفراز ہوئے
تھے دخیل کار رکن الدولہ ہو کر تمام مہمات اپنے اختیار
میں کر لئے

(رشید الدین خانی)

سنہ ۱۱۸۹ھ میں ایک سپاہی فیضو نامی نے آپ کو شہید کر دیا
کوہ مولا واقع حیدر آباد میں دفن کئے گئے۔ ان کی کوئی اولاد
نہ تھی لیکن نواب شمس الامرا بہادر کی اولاد اب تک موجود ہے۔

"رکن الدولہ کے عہد وزارت میں"

"نواب شیر جنگ بہادر بحیثیت"

"مشیر خاص"

نواب رکن الدولہ بہادر اپنے عہد وزارت میں کوئی کام
ان کے مشورہ کے بغیر نہ کرتے تھے۔ سلطنت کے بڑے بڑے
سیاسی معاملات میں آپ کو اقتدار کلی حاصل تھا گویا آپ ان کے
عہدِ مدار المہامی میں مشیر خاص کی حیثیت رکھتے تھے چنانچہ
مقدمات متعلقہ سرکار پنڈت پردھان و محمد علی والا جاہ آپ ہی کے
ذریعہ سے طے ہوتے تھے،

صاحب مرقعہ عبرت نے اس موقعہ پر تحریر فرمایا ہے۔

تاہم امور اعظم سلطنت انھیں کے ہاتھ میں تھے
تمام نزاعیں جو اور سلطنتوں سے تھیں اور نظام دکن
کے صاحبزادے محمد علی والا جاہ کی بغاوت کا
تصفیہ انھیں کی حکمت عملی سے ہوا تھا

(مرقعہ عبرت صہ)

میرے خیال میں محمد علی خاں والا جاہ سے مراد محمد علی خاں والا جاہ ابن انور الدین خاں ہیں۔ نہیں معلوم مصنف مذکور الصدر نے ان کو نظام دکن کا صاحبزادہ کیسے لکھدیا۔
مصنف تاریخ امجدی ایک موقعہ پر لکھتے ہیں۔

درہمین سال امیر الممالک عالی جاہ صاحبزادہ والاتبار
باغوائے بعضے مفسدان کہ افسر آنہا سداشیو زمیندار
بود خروج فرمودہ مصدر فتنہا شدندو برقلعہ پدر قابض
گردیدند و بآخر بجراست امرائے حضور بہ بارگاہ پدر
غفور رکار نہادند قضائے کردگار ہنوز بسعادت بساط
بوسی ترسیدہ بودند کہ در اثنائے راہ جان بجان
آفرین سپردند۔

(تاریخ امجدی صہ)

مگر محمد علی والا جاہ اور ہیں اور امیر الممالک عالی جاہ اور

اس کے علاوہ امیر الممالک عالی جاہ بہادر کا واقعہ ۱۲۰۸ھ میں ظہور پذیر ہوا اور نواب شیر جنگ بہادر نے ۱۱۸۹ھ میں وفات پائی۔ محمد علی والاجاہ کا مختصر سا تذکرہ ذیل میں لکھتے ہیں اس سے معلوم ہوگا کہ کن واقعات میں شیر جنگ بہادر کی رہبری سے رکن الدولہ بہادر کارگزار رہے'

"محمد علی خاں والاجاہ"

محمد علی خاں' انور الدین خاں بہادر گوپاموی کے لڑکے تھے نواب مغفرت مآب کی وزارت دکن کے زمانہ میں راجہ جے سنگھ سوائی کے معاملات کا تصفیہ انور الدین خان ہی کے ذریعہ سے ہوا تھا' اس حسن خدمت کے صلہ میں مورد عنایات خاص ہوئے چنانچہ عبد اللہ خان کے انتقال کے بعد جن کے سپرد ارکاٹ کی اول تعلقداری و فوجداری و صوبہ داری تھی' انھیں اس عہدہ سے سرفراز فرمایا گیا اور موصوف اس خطہ کے انتظام میں مصروف ہوئے

انور الدین خان کے عہد حکومت میں فرانسیسیوں کا بندر پھولچری پر قبضہ تھا اور انگریز بندر چینا پٹن پر قابض تھے انور الدین خاں اور انگریزوں میں دوستانہ تعلقات قائم تھے۔ اتفاقاً اسی زمانہ میں انگریزوں اور فرانیسیوں میں جنگ چھڑ گئی۔ اور فرانیسیوں نے چاہا کہ چینا پٹن پر قابض ہو جائیں انگریزوں نے یہ حال دیکھ کر

خان مذکور سے امداد طلب کی چنانچہ اُنھوں نے اپنے بیٹے محفوظ خاں کو فرانسیسیوں کی تنبیہ کے لئے روانہ کیا۔ جب محفوظ خاں مقام میلا نور تک پہونچے جو چینا پٹن سے ایک کوس کے فاصلہ پر ہے تو فرانسیسیوں نے موقعہ پاکر شبخون مارا اوران کی تمام فوج کو منتشر کردیا، اس خبر کوسن کرانورالدین خاں کو نہایت افسوس ہوا اور انھوں نے محمد علی خاں کو انگریزوں کی مدد کے لئے بھیجا چنانچہ انھوں نے اپنے رفقا حیات میر خان وغیرہ کی اعانت سے کارہائے نمایاں انجام دئے حتیٰ کہ انگریزوں کو فتح حاصل ہوئی اور فرانسیسی پھولچری بھاگ گئے اور پھر کبھی سرکشی کی جرأت نہ کی۔

جب حسین دوست خاں عرف چندا صاحب کے اغوا سے ہدایت محی الدین خان نے انورالدین خان کو مار کر ارکاٹ پر قبضہ کرلیا تو محمد علی خان قلعہ ترچناپلی میں متحصن ہوکر آمادہ جنگ ہوئے مگر ظاہر داری کے طور پر مظفر جنگ کو راضی کرنے کے لئے اپنے بھائیوں کو ان کی خدمت میں روانہ کیا اور خفیہ طور پر نواب ناصر جنگ کے پاس عرضیاں بھیجیں اور ان کے آنے تک مظفر جنگ کو لیت و لعل میں رکھا نہ جنگ پر آمادگی ظاہر کی اور نہ اطاعت پر اور ان کے آنے کے بعد خدمت میں حاضر ہوکر مورد عنایات ہوئے۔ نواب شہید کے حادثہ کے بعد جب

حسین دوست خاں کرناٹک پر قابض ہوگئے تو محمد علی پھر ترچنا پلی میں بیٹھ کر انگریزوں کی معاونت کے ساتھ اطاعت سے انکار کر کے جنگ پر آمادگی ظاہر کی۔

محمد علی اور چندا صاحب سے کئی مقابلہ ہوئے چندا صاحب آخر میں مقتول ہوا جس کی وجہ سے فرانسیسیوں کا بھی زور ٹوٹ گیا اور اخیر میں انگریزوں نے ان کی جائے پناہ قلعہ پھولچری کو اکھاڑ پھینکا۔ اسی زمانہ میں محمد علی کو شاہ ہندوستان کی جانب سے خلعت اور خطاب والا جاہ مرحمت ہوا۔ انگریزوں کو محمد علی کی وجہ سے بڑی تقویت ملی اور وہ ملک کے اکثر حصوں پر قابض ہوگئے۔

"رکن الدولہ اور"

"بغاوت محمد علی"

محمد علی کے حالات اوپر قلمبند ہو چکے یہی محمد علی ہے جس کی بغاوت کے سلسلہ میں رکن الدولہ کو مدراس جانا پڑا، مگر اس اصلاح کے روح رواں نواب شیر جنگ بہادر تھے جو اس وقت ملک کے اکثر و بیشتر سیاسی معاملات پر حاوی اور حکومت کے رکن رکین تھے۔

"نواب شیر جنگ بہادر"
کی
"وفات"

جب نواب شیر جنگ بہادر بہت ضعیف ہوگئے تو گوشہ نشینی کا ارادہ کرلیا لیکن بندگان عالی کے اصرار سے اورنگ آباد کی نظامت قبول فرمائی اور پانچ سال تک عدالت و داد رسی و غربا پروری کے فرائض انجام دینے کے بعد ۱۱۸۹ھ میں وفات پائی۔ مادۂ تاریخ رحلت

"حیدر یار خان عادل"

ہے، آپ نے اٹھتر سال کی عمر پائی۔

"سیرت"

آپ نہایت معزز و ممتاز، سخی و شجاع، مخیر و علم دوست اور باوقار و صاحب شان و شوکت امیر تھے۔ امرائے آصفجاہی آپ کا نہایت احترام کرتے تھے اور آپ بھی ان کے ساتھ بزرگانہ الطاف کے ساتھ پیش آتے تھے حتیٰ کہ رکن الدولہ بہادر تو اپنی مدار المہامی کے زمانہ میں انھیں چچا کہہ کر خطاب فرماتے تھے،

"اولاد"

آپ نے دو فرزند چھوڑے

(۱) محمد صفدر خاں بہادر غیور جنگ

(۲) تقی یار خاں بہادر ذوالقدر جنگ

موخرالذکر والد کے انتقال کے بعد سات سال زندہ رہ کر مرض فالج سے انتقال فرما گئے اور اول الذکر کی نسل جاری ہوئی

"محمد صفدر خاں بہادر غیور جنگ"

آپ کی تاریخ ولادت ۴ رجمادی الآخر ۱۱۴۵ھ ہے۔ آپ نے بعہد نواب مغفرت مآب منصب دوصدی و نیابت داروغگی بگی خانہ حاصل فرمائی۔

عہد مظفر جنگ میں منصب پانصدی شش صد سوار و خطاب خانی سے سرفراز ہوئے نواب امیر الممالک صلابت جنگ بہادر کے زمانہ میں پہلے کوتوالی اورنگ آباد سے اور پھر منصب سہ ہزاری دو ہزار سوار علم و نقارہ و خطاب بہادری سے سرفراز ہوئے اور اس کے بعد اسی عہد میں ۱۱۷۰ھ میں منصب چار ہزاری اور خطاب غیور جنگ بہادر اشجع الدولہ سے ممتاز و مفتخر ہوئے مصرعہ تاریخ خطاب درج ذیل ہے۔

؁ خطاب اشجع الدولہ ہمایون

یہاں تک میر عالم مرحوم کی حدیقۃ العالم سے ماخوذ ہے۔
صاحب رشید الدین خانی قدرے تفصیل کے ساتھ یوں لکھتے ہیں
جب رگھناتھ راؤ برادر بالاجی راؤ نے وسواس راؤ
اور بھاؤ راؤ کے قتل کی خبر سنی تو اس نے نواب سے
مجبوراً صلح کرلی نواب ممدوح آصفجاہ ثانی نے بھی
اس کو غنیمت سمجھا اور راضی ہوئے اور محمد آباد
بیدر کی چھاؤنی کرکے فوج کو حسب معمول چراگاہ کو
رخصت کیا اور محمد صفدر خان بہادر خلف شیر جنگ
حیدر یار خان بہادر کو چار ہزار کا منصب اور غیور جنگ
اشجع الدولہ کا خطاب ۱۱۷۴ھ میں بموجب مصرعہ مشتمل
بر مادۂ تاریخ عطا کیا ع خطاب اشجع الدولہ ہمایون ۔
سنہ میں دونوں مولفین اختلاف کرتے ہیں اور مصرعہ تاریخ سے
اگر (د) کو ایک تصور کیا جائے اور (دال) کے اعداد شمار کئے جائیں تو
۱۱۷۳ھ ہوتے ہیں معلوم نہیں کہ مصرعہ تاریخ کے ہوتے ہوئے
کیوں اختلاف ہوا؟ شاید کسی نے اعداد جوڑنے کی تکلیف گوارا
نہیں فرمائی

کچھ دنوں بعد منصب پنج ہزاری چہار ہزار سوار و پالکی جھالردار سے

مشرف ہوئے۔

"عہد نواب آصفجاہ ثانی"

اور

"آپ کے اعزاز میں اضافہ"

نواب آصف جاہ ثانی کے عہد میں آپ کو منصب شش ہزاری شش ہزار سوار ملا۔ ۲۶؍ رمضان ۱۱۹۷ھ میں صوبجات دکن کی دیوانی اور خطاب اشجع الملک مرحمت ہوا اور ۸؍ صفر ۱۲۰۵ھ میں خطاب خانخاناں سے سرفراز ہوئے۔

"وفات"

بتاریخ ۱۴؍ شعبان المعظم ۱۲۰۵ھ بہ ایام چھاونی پانگل مرض خفقان میں مبتلا ہوکر آپ واصل برحمت خدا ہوئے اور اورنگ آباد میں اپنے والد نواب شیر جنگ بہادر کے مقبرہ میں دفن کئے گئے

"سیرت اور استعداد علمی"

یہ نہایت نیک دل، سنجیدہ، متین غیر تمند، دیندار اور غریب پرور امیر تھے، شاعری سے بھی انھیں دلچسپی تھی چنانچہ چند اشعار بطور نمونہ کے نقل کئے جاتے ہیں۔

(۱)

اکرام الملک محمد تقی خاں بہادر قوی جنگ

آپ نواب آصف جاہ ثانی کی سرکار سے عہدہ میر سامانی پر مامور تھے بتاریخ ۹ر جمادی الثانی ۱۲۱۳ھ مرض اسہال سے فوت ہوئے

(۲)

حسن رضا خان بہادر شوکت الدولہ نیر جنگ

آپ پہلے داروغہ مطبخ بندگان عالی تھے اور بعد ازاں اورنگ آباد کے ناظم مقرر ہوئے ۲۸ر شعبان ۱۲۱۶ھ کو بمرض اسہال و بواسیر فوت ہوئے ۔

(۳)

امین الملک امین الدولہ رضا یار خان بہادر حسام جنگ

سرکار سلیماں جاہ بہادر خلف نواب آصف جاہ ثانی سے داروغگی فیلخانہ پر مامور تھے اور ارسطو جاہ غلام سید خان کی پائیگاہ کا انتظام بھی انھیں کے سپرد تھا ۔

(۴)

علی زمان خان بہادر

جو ۱۲۰۲ھ میں پیدا ہوئے عمر میں امین الملک سے بڑے تھے

اور بلحاظ بخت و اقبال و لیاقت اپنے تمام بھائیوں سے بڑھ چڑھ کر تھے۔ حضور بندگان عالی کی بارگاہ سے خطاب حیدر یار خاں بہادر غیور جنگ منیر الدولہ منیر الملک و منصب پنج ہزاری سہ ہزار سوار و علم و نقارہ و پالکی جھالردار و دیوانی صوبہ جات دکن سے سرفراز ہوئے۔

جس زمانہ میں غلام سید خاں پونا گئے ہوئے تھے اس وقت نواب غفران مآب نے تمام نظم و نسق امور ریاست اور بندوبست افواج سرکار متعلقہ غلام سید خان آپ کے ہاتھوں میں دیدیا تھا

"شادی"

آپ کی شادی نواب میر عالم بہادر کی دو صاحبزادیوں نفیسہ بیگم و صاحب بیگم کے ساتھ یکے بعد دیگرے ہوئی۔

والد کے زمانہ حیات ہی میں آپ کی نسبت نفیسہ بیگم صاحبہ سے طے پا چکی تھی، والد کے انتقال کے بعد بندگان عالی نے آپ کو طلب فرما کر گلشن محل میں شادی کا انتظام فرمایا۔ ۷ اور ربیع الاول جب سے رسوم شادی کا آغاز ہوا۔ حضور پر نور روزانہ دونوں وقت مجلس شادی میں رونق افروز ہوتے رہے۔ تمام مصارف اپنی سرکار فیض آثار سے عطا فرمایا اور شادی کے تمام مراسم بہ نفس نفیس بہنایت خوشی کے ساتھ انجام دئے۔

۲۴ ربیع الثانی کو جو کہ جلوہ کا دن تھا۔ نوشہ کو سرپیچ وجیغہ و کلغی وطرہ و دست بند مرصع سے سرفراز فرمایا۔ دلہن کو زیورات و جواہر گراں بہا بخشے اور نوشہ کی والدہ کو بھی عمدہ عمدہ جواہرات سے سرفراز فرمایا۔

اس خاندان کے تذکرہ کے ساتھ اگر نواب میر عالم بہادر کا ذکر نہ کیا جائے تو تاریخ نامکمل ہوگی کیونکہ موصوف کو اس سے شدید تعلق ہے۔

نواب میر عالم بہادر

نام و نسب

سید ابو القاسم نام نامی، سید رضی شوستری کے دوسرے فرزند ارجمند تھے، سید رضی شوستر (ایران) کے خاندان شیخ الاسلام سے تعلق رکھتے تھے اور وہیں پیدا ہوئے۔ یہ بہت بڑے عالم جید اور زبردست و بلند پایہ ادیب و شاعر تھے، اقدس تخلص تھا ان کی تصانیف میں سے چند کتابیں اتنی بہترین کہ مسلمانان عالم انھیں بنظر استحسان دیکھتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ موصوف ان ادبا میں سے تھے جن کی مثال زمانہ بہت عرصہ دراز کے بعد پیش کرتا ہے۔

سید رضی حیدرآباد میں

موصوف ۱۱۳۵ء میں اپنے بھائی کے ہمراہ ہندوستان

سید ابوالقاسم میر عالم

تشریف لائے شاہ جہاں آباد میں چند روز قیام کرنے کے بعد شجاع الدولہ ناظم بنگالہ کے پاس چلے گئے اور ان کے داماد مرشد قلی کی رفاقت اختیار کی چنانچہ انھیں کے ساتھ حیدرآباد پہونچ کر سلسلۂ ملازمت آصفجاہیہ میں منسلک ہوئے اور دارالانشا میں مامور ہوئے

آپ کا اعزاز دربار آصفیہ میں

دربار آصفیہ میں سید رضی کی بڑی عزت ہوئی اور حضرت آصفجاہ ثانی نے آپ کو از راہ قدر دانی جاگیر عنایت فرمائی مشہور ہے کہ ہر سہ شنبہ کو اعلحضرت کی خدمت میں باریاب ہوتے تھے اور الطاف خسروانہ آپ پر اتنے مبذول تھے کہ ہر ملاقات میں ایک شخص کی سفارش کرتے اور کامیاب ہوتے چنانچہ سہ شنبہ کے روز صدہا سفارش خواہوں کا مجمع ان کے مکان پر ہوتا تھا۔ مگر آپ صرف اس شخص سے سفارش کا وعدہ فرماتے تھے جو سب سے پہلے ان کے پاس پہونچتا

انتقال

۱۱۹۴ھ میں سید رضی نے حیدرآباد میں عالم فانی کو خیرباد فرمایا اور دائرۂ میر مومن میں مدفون ہوئے۔ آپ کو علوم دینیہ میں اجتہاد کا درجہ حاصل تھا اور تمام علماء و مجتہدین میں یگانہ و ممتاز متصور ہوتے تھے

آپ نے دو فرزند یادگار چھوڑے۔

(۱) سید زین العابدین جنھوں نے ابتداء عمر میں حیدر آباد کی سکونت ترک کردی تھی (۲) سید ابو القاسم نواب میر عالم بہادر جن کا نام نامی تاریخ حیدر آباد میں آفتاب کی طرح روشن ہے۔

میر عالم کی ولادت و تربیت

موصوف حیدر آباد میں سنہ ۱۱۶۶ھ مطابق سنہ ۱۷۵۳ء میں پیدا ہوئے آپ نے نہایت عمدہ تعلیم پائی تھی آپ کی لیاقت و ذہانت جس کی وجہ سے آپ نہ صرف ہندوستان بلکہ یورپ میں بھی مشہور تھے ابتدائے سن سے ظاہر ہوتی تھی۔ جب ان کے والد صاحب کا انتقال ہوگیا تو اعظم الامراء نے اپنے ساتھ رکھا، چنانچہ ان کے انتقال کے بعد آپ کو خدمت دیوانی تفویض ہوئی۔ مصنف بوستانِ آصفیہ لکھتے ہیں۔

میر عالم بہادر سنہ ۱۱۶۶ھ
میں پیدا ہوے اور
۴ ربیع الثانی سنہ ۱۲۱۹ھ کو
خدمت دیوانی سے
سرفراز کئے گئے۔

قابلیت ولیاقت

اور

ابتدائی ترقی

آپ کی عربی و فارسی قابلیت بہت بڑھی ہوئی تھی۔ ریاضی میں ملکہ تامہ کے مالک تھے، شاعری و انشا پردازی آپ کو پدر بزرگوار سے ترکہ میں ملی تھی، چنانچہ آپ ایک بلند پایہ ادیب اور فخر زمانہ شاعر تھے۔

آپ کی ابتدائی ملازمت بھی شاعری ہی کی بدولت حاصل ہوئی اگرچہ باپ کی جاگیر کافی تھی مگر ملازمت کا کوئی سلسلہ نہ تھا۔ آپ نے ایک مرتبہ ارسطو جاہ کی مدح میں قصیدہ لکھا، موصوف آپ کے کمال شاعری اور فصاحت و بلاغت سے بہت متاثر ہوئے اور اپنا سکرٹری بنالیا اس وقت سے وہ ترقی کرنے لگے اور رفتہ رفتہ صدر تعلقدار بنائے گئے اس عہدہ کی ذمہ واریوں کو آپ نے باحسن وجوہ انجام دیں اور ملک و مالک کی خوشنودی حاصل فرماکر اپنی لیاقت کا ثبوت دیا۔

خدمت وکالت

سنہ ۱۸۰۲ء میں جب مسٹر جانسن سرکار کمپنی کی جانب سے سفیر

ہو کر حیدر آباد آئے تو نواب میر عالم بہادر ان کے اور نواب ارسطو جاہ بہادر وزیر کے درمیان وکیل ہوئے، آپ نے اس خدمت کو بھی نہایت خوبی کے ساتھ انجام دیا جس سے لوگوں کو آپ کی معاملہ فہمی اور پیچیدہ امور کے سلجھانے کی قابلیت کا اعتراف کرنا پڑا اور آپ کی ترقی کا راستہ صاف ہو گیا

خدمت سفارت

۱۷۸۷ء مطابق ۱۲۰۲ھ میں آپ کو خدمت سفارت کے لئے منتخب کیا گیا اور آپ حضور نظام کی جانب سے گورنر جنرل کارنوالیس کے پاس بحیثیت سفیر کے تشریف لے گئے، اس خدمت کے لئے پانچ ہزار روپیہ ماہانہ آپ کی تنخواہ مقرر ہوئی اور دو لاکھ روپیہ بطور سفر خرچ کے ملے۔ آپ نے ان تمام معاملات کو جن کے سلجھانے کی ضرورت تھی اس خوبی سے صاف کیا کہ دونوں سرکاروں کے نزدیک آپ کی عزت بہت بڑھ گئی چنانچہ کلکتہ سے واپس ہونے کے بعد آپ کو حسن خدمت کے صلہ میں سرکار نظام کی طرف سے "میر عالم" کا معزز خطاب ملا جس کے آپ ہر طرح مستحق تھے،

مصنف بستان آصفیہ اس سفارت اور اس کے انجام نیک کے متعلق لکھتے ہیں۔

نواب نظام علی خاں بہادر نے
میر ابو القاسم کو معہ چند امراء کے تحائف دے کر
لارڈ کار نوالیس کے پاس روانہ کیا اور
جب وہ وہاں سے تحائف لے کر کامیابی کے
ساتھ حیدر آباد واپس آئے تو انھیں میر عالم
بہادر کے معزز خطاب سے ممتاز فرمایا
اسی وقت سے گویا سرکار انگریزی اور سرکار
نظام کے ساتھ سلسلہ محبت واتحاد قائم ہوا
اور خدا کے فضل سے ہماری سلطنت اب تک
دولت انگلیشیہ کی بہی خواہ ہے'

ممکن ہے یہ حیرت انگیز کارنامہ آج کل لوگوں کو
معمولی نظر آئے لیکن اہل فہم حضرات سمجھ سکتے ہیں
کہ اس زمانہ کے نوابوں اور امراء کی حالت اور
تعلیم کا اندازہ کرتے ہوئے اس اہم خدمت کی
انجام دہی جس میں ایک ہندوستانی اور ایک
یورپین حکومت کے درمیان دوستی قائم کرنے کی
کوشش کی گئی ہو معجزہ سے کم نہ تھی۔

میر عالم بہادر
کی
دوسری سفارت

۱۷۹۱ء میں جب ٹیپو سلطان نے صلح کی درخواست کی تو میر عالم بہادر تجاویز پیش شدہ پر گفتگو کرنے کے لئے لارڈ کارنوالس کے پاس بھیجے گئے چنانچہ اس سفارت سے لارڈ موصوف بہت خوش ہوئے اور ایک طویل خط ان کی تعریف میں لکھ کر حضور نظام کی خدمت میں بھیجا جو درج ذیل ہے۔

چونکہ مجھے ملاقات سابق کی مسرت میر عالم سے حاصل تھی اور اس وقت ان کی عمدہ لیاقتوں اور صفات حمیدہ پر حضور پرنور کے ساتھ ان کی خیر خواہی اور ان کی اس سچی خواہش پر کہ سرکار کمپنی اور گورنمنٹ نظام کے مابین دوستی کی ترقی ہو مجھے پورا یقین تھا لہذا مجھ کو نہایت خوشی ہوئی کہ آپ نے میر عالم کو منتخب کر کے اُن کو اختیارات دئے کہ آپ کی طرف سے اس مجلس نائبان میں شریک ہوں جو ہر ایک فریق متعلق کے دعاوی کی تحقیقات کے لئے

اور ان شرائط صلح پر مشورہ کرنے کے لئے جو مفید ہوں
اور خلاف شان نہوں جمع ہوگی جس وقت سے یہ
آئے ہیں انھوں نے اپنی روش سے ثابت کردیا کہ
آپ نے یہ انتخاب ان کا نہایت عاقلانہ کیا اور
میرے خیال سابق کو کہ وہ آپ کی گورمنٹ کے نہایت
خیر خواہ ہیں اور ان کی دلی خواہش ہے کہ ہم دونوں
میں استحکام و ترقی محبت ہو مضبوط کردیا اور اس وجہ
سے مجھے ان کے آنے سے نہایت اطمینان ہوا۔

دوسری جگہ لارڈ موصوف لکھتے ہیں۔

بہ استثناء اس کے کہ فوجی معاملات سے
ناواقفی ہے اور باتوں میں یہ بہت قدر کے لائق ہیں
ان کے تمام صفات پر خیال کرکے اور اس امر کو ملحوظ
کرکے کہ ان کو میرے یقین میں سچی دوستی ہماری گورنمنٹ
سے حاصل ہے اگر میری رائے لی جاتی تو غالب ہے
کہ میں دربار کے لوگوں میں سے ان سے بہتر کسی دوسرے
کو منتخب نہ کرسکتا۔ (مرقع عبرت)

فتح سرنگا پٹن

ٹیپو سلطان سے جنگ کرنے کے لئے انگریزوں نے نظام سے

مدوہ نگی اور عہد نامہ مرتب ہوا کہ انگریز حکومت نظام کے محافظ رہیں گے کنٹنجنٹ کا قیام عمل میں آیا اور طے پایا کہ نظام کسی جنگ و صلح میں انگریزوں کے مشورہ کے بغیر اقدام نہیں کر سکتے۔

اس عہد نامہ کے بعد نظام نے بسرکردگی نواب میر عالم بہادر ۱۲۱۳ھ میں ایک کثیر فوج سرنگ پٹن روانہ فرمائی گورنر جنرل ولزلی مدراس میں داخل ہوئے اور انگریزی فوج مدراس و ملیبار سے سرنگ پٹن پہونچی اس موقع پر ٹیپو سلطان سے زبردست جنگ ہوئی جس میں وہ شہید ہوئے اور ان کی فوج نے کامل شکست پائی "نسل حیدر شہید اکبر شد" مصرعہ تاریخ ہے جس سے شہادت سلطان کی تاریخ نکلتی ہے۔

میر عالم بہادر جنگ کے بعد معہ کنٹنجنٹ حیدرآباد واپس ہوئے اور حسین ساگر کے قریب کنٹنجنٹ کی چھاونی مقرر ہوئی اس معرکہ کے بعد نواب نظام علی خاں بہادر کی حمایت سے سرکار انگریزی کی حکومت دکن تو کیا تمام ہندوستان میں تسلیم کرلی گئی۔

بستان آصفیہ

جنگ سرنگ پٹن سے واپس ہونے کے بعد آپ کا اعزاز

فتح سرنگ پٹن سے فارغ ہونے کے بعد جب آپ واپس ہوئے تو آپ کی بڑی عزت ہوئی حضور پر نور نے اپنا خاص ہاتھی سواری کے لئے بھیجا اور تمام ارکین سلطنت و اعیان حکومت کو حکم دیا کہ وہ پانچ چھ میل شہر پناہ سے باہر جاکر استقبال کریں اور نہایت شوکت کے ساتھ شہر میں لائیں، فی الحقیقت موصوف اپنے کارناموں کے لحاظ سے اس اعزاز کے مستحق تھے مگر اس اعزاز نے ان کے بہت سے دشمن پیدا کر دئے جس سے انھیں تکلیفیں اٹھانی پڑیں۔

وکالت سے علحدگی اور قید

سرکار نظام اور سرکار انگریزی میں آپ کی اس قدر زیادہ ترقی و عزت کو دیکھ کر لوگ آپ سے جلنے لگے اور بے بنیاد الزاموں کی بناء پر آپ وکالت سرکار انگریزی سے موقوف ہوکر قلعہ درور میں قید کئے گئے لیکن بہت جلد رہا ہوئے اور اعظم الامراء ارسطو جاہ بہادر کی وفات تک خانہ نشین رہے۔

وزارت

ارسطو جاہ بہادر کی وفات کے بعد منصب وزارت کا مستحق نواب میر عالم بہادر کے سوا اور کوئی نہ تھا، اِس لئے ۱۲۱۹ھ میں منصب وزارت پر فائز ہوئے۔

صاحب تاریخ امجدی لکھتے ہیں۔

چون در سنہ یکہزار و دو صد و نوزدہ ہجری مشیر الملک اعظم الامرا بہادر روانۂ ملک بقا شدند بجائے شان حسب سفارش لارڈ گورنر صاحب بہادر و استحسان بخشی بیگم صاحبہ معظمہ و اتفاق بی بی صاحبہ مکرمہ کہ ہر دو والدہ ماجدہ اند بہ پنجم ربیع الثانی سنہ مذکور میر ابو القاسم بہادر را بخلعت امر جلیل القدر دیوانی مخلع فرمودند۔

اصلاحات

میر عالم بہادر نے اپنے زمانۂ وزارت میں ریاست کی بہت کچھ اصلاح فرمائی چنانچہ قلمرو آصفی میں سب سے پہلے ٹپہ رسانی (ڈاک) کا انتظام کیا گیا حیدرآباد سے کلکتہ، مدراس بمبئی، پونا، اور مچھلی بندر تک ٹپہ کا انتظام ہوا، اس کے لئے

راستے بنائے گئے، راستہ میں مسافر خانے، مسجدیں بنوائیں اور باؤلیاں کھدوائیں چنانچہ آج تک بہت سی سرائیں اسی وقت کی باقی ہیں۔

تعمیرات

میر عالم بہادر نے اپنے زمانۂ وزارت میں نہایت خوشنما باغ اور دلکش عمارتیں تعمیر کرائیں جن میں سے چند بہت مشہور ہیں۔ مثلاً میر عالم کا تالاب میر عالم کی منڈی، بارہ دری اور اس کا باغ وغیرہ
صاحب رشید الدین خانی آثار میر عالم بہادر کے متعلق لکھتے ہیں۔

واضح ہو کہ میر صاحب موصوف میر عالم بہادر نے اپنی دیوانی میں ایک قلیل زمانے کے اندر باغات خوشنما اور عمارات دلکشا جو اب تک موجود ہیں شہر کے اندر ملحق شہر پناہ دریائے موسیٰ کے کنارے پر تین لاکھ روپیہ کی لاگت سے احداث کی۔ سوائے اس کے بیرون فتح دروازہ کے جدید عید گاہ کے متصل ۱۲۲۱ھ میں صناعان انگلینڈ کے اہتمام سے لاکھ روپیہ خرچ کر کے ایک تالاب عجیب بنوا کر اس میں سے ایک نہر نکال کر شہر کے اندر سے باغ

مذکور میں لائے جس سے خلقت کو پانی کا بہت آرام
ہوگیا ہے ادنیٰ و اعلیٰ کو بلا دقت و محنت ماء عذب
واسطے استعمال کے میسر آتا ہے اکثر مکانات میں
نہر جاری ہو رہی ہے ہر گھر میں باغیچہ اور اس سے
بیشتر فقط واسطے پینے کے پانی کے رکن الدولہ کی
یم اور ندی سے بہ قیمت بہم پہنچتا تھا اور اکثر کام
مثل نہانے دھونے وغیرہ کے کھاری پانی کنویں
باؤلی سے ہوتے تھے اور اب بھی شیرین پانی
پینے کے لئے ہمیشہ اہل مقدور کے ہاں یم مذکور سے
استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن تالاب صاحب موصوف کا
منبع منافع کثیر بندگان خدا کا واقع ہوا ہے، اور یہ
بھی جاننا چاہیئے کہ تالاب مذکور کی مینڈ نہایت پختہ
اور گچ کار اس وضع پر تیار ہوئی ہے کہ وہ ابتدا سے
انتہا تک کہ بڑا نصف دائرہ ہے اور اس میں پانی
کی آمد دریائے موسیٰ سے ہوتی ہے۔

(رشید الدین خانی)

میر عالم کے تالاب کے متعلق تواریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ
انھوں نے اس روپیہ سے اسے تعمیر کرایا تھا جو انھیں فتح سرنگ پٹن
کے بعد انعام میں ملا تھا۔

راستے بنائے گئے، راستہ میں مسافر خانے، مسجدیں بنوائیں اور باؤلیاں کھدوائیں چنانچہ آج تک بہت سی سرائیں اسی وقت کی باقی ہیں۔

تعمیرات

میر عالم بہادر نے اپنے زمانۂ وزارت میں نہایت خوشنما باغ اور دلکش عمارتیں تعمیر کرائیں جن میں سے چند بہت مشہور ہیں۔ مثلاً میر عالم کا تالاب میر عالم کی منڈی، بارہ دری اور اس کا باغ وغیرہ

صاحب رشید الدین خانی آثار میر عالم بہادر کے متعلق لکھتے ہیں۔

واضح ہو کہ میر صاحب موصوف میر عالم بہادر نے اپنی دیوانی میں ایک قلیل زمانے کے اندر باغات خوشنما اور عمارات دلکشا جو اب تک موجود ہیں شہر کے اندر ملحق شہر پناہ دریائے موسیٰ کے کنارے پر تین لاکھ روپیہ کی لاگت سے احداث کی۔ سوائے اس کے بیرون فتح دروازہ کے جدید عید گاہ کے متصل ۱۲۲۱ھ میں صناعان انگلینڈ کے اہتمام سے لاکھ روپیہ خرچ کر کے ایک تالاب عجیب بنوا کر اس میں سے ایک نہر نکالکر شہر کے اندر سے باغ

مجموعہ ہے جو اعلیٰ درجہ کی انشاء پردازی کے نمونے ہیں ' یہ کتاب طبع نہیں ہوئی۔

(۲) حدیقۃ العالم۔ یہ دکن کی ایک بلند پایہ اور بے نظیر فارسی تاریخ ہے عبارت نہایت بلند ہے جس سے مصنف کی اعلیٰ قابلیت کا پتہ چلتا ہے، اور اس میں شک نہیں کہ گو یہ کتاب فن تاریخ میں ہے لیکن اسے فارسی ادب کی اعلیٰ ترین کتب کے مقابلہ میں پیش کیا جا سکتا ہے، تاریخی حیثیت سے بھی یہ کتاب اتنی اہم ہے کہ تاریخ دکن کے لئے بطور ماخذ کے سمجھی جاتی ہے، چنانچہ ہم کو بھی اس کتاب سے بہت مدد ملی ہے۔

(۳) مثنوی ماہ لقا یائی چندا۔ اس مثنوی سے آپ کے کمال ذوق کا پتہ چلتا ہے۔

جود و سخا

سنہ ۱۲۲۰ھ میں جب قحط پڑا تو آپ نے یہ انتظام کیا کہ غلہ خریدا جاتا تھا اور ارزاں نرخ پر غربا کے ہاتھ فروخت ہوتا تھا' اس کے علاوہ آپ کا یہ دائمی دستور تھا کہ روزانہ دو سو فقرا کو اپنے ذاتی باورچی خانہ سے کھانا کھلواتے تھے۔

انتقال اور سیرت

۱۲۲۳ھ میں آپ کا انتقال ہوا اور دائرہ میر مومن رح
میں اپنے والد اور اپنے بیٹے کے مزار کے قریب مدفون
ہوئے، آپ نہایت عالم و فاضل اور ادیب و شاعر
ہونے کے علاوہ بڑے معاملہ فہم، دور رس دوربیں، صاحب
تدبیر، عاقبت بیں، محتاط اور حاتم صفت وزیر تھے۔

علی زماں خاں نیر الملک کے بقیہ حالات

وزارت

۱۲۲۴ھ میں آپ اپنے نامور خسر نواب میر عالم بہادر کے
انتقال کے بعد مسند وزارت پر جلوہ افروز ہوئے، مگر اس وقت
کی سیاسیات کا رخ دیکھ کر نہایت خاموشی کے ساتھ مرنجان
مرنجی اور صلح کوشی پر عمل فرمایا، اور راجہ چندو لال[۱] بہادر بحیثیت

---

[۱] مہاراجہ چندو لال بہادر اکبری نورتن کے ایک رتن راجہ ٹوڈرمل کی اولاد
میں سے تھے حضرت آصفجاہ اول کے عہد میں ان کے جد امجد راۓ
مول چند کروڑ گیری کی تعلقداری پر مامور تھے ان کے بعد ان کے بیٹے
لچھمی نرائن آصفجاہ ثانی کے زمانہ میں اسی خدمت سے سرفراز ہوئے۔
لچھمی رام کے دو فرزند تھے (۱) راۓ نانک رام (۲) نارائن داس

پیشکار کے تمام امور سلطنت پر حاوی رہے چنانچہ صاحب تاریخ امجدی لکھتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۳) موخرالذکر کے فرزند رائے چندو لال ہیں آپ ۱۱۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور زمانہ کی رسم کے مطابق عربی اور فارسی کی تعلیم پائی سن شعور کو پہونچنے کے بعد اپنے چچا نانک رام کے ماتحت سررشتہ کروڑگیری میں کام کرتے رہے اور پھر کچھ عرصے کے بعد تعلقدار کروڑگیری ہوگئے، نواب ارسطو جاہ بہادر نے ان کی قابلیت و لیاقت سے متاثر ہوکر قلعہ سدھوٹ کے انتظام پر روانہ کیا۔ راجہ بہادر کا خطاب بھی ملا لیکن سابقہ خدمت بحال رہی جس کے فرائض آپ کے غیاب میں آپ کے بھائی انجام دیتے رہے۔

۲۲ صفر ۱۲۲۱ھ میں میر عالم بہادر نے انھیں خدمت پیشکاری سے سرفراز فرمایا جیساکہ تاریخ امجدی سے ظاہر ہوتا ہے۔

"در ابتدائے سنہ یکہزار و دو صد و بست و یک بتاریخ بست و دوم صفر روز چہارشنبہ میر عالم بہادر پیشکاری دیوانی بہ راجہ چندو لال از پیشگاہ بندگان حضرت مرحمت کنانیدند"

۱۲۴۶ھ میں جب شمس الامرا بہادر کو امیر کبیر کا خطاب ملا تو آپ خطاب راجہ راجایان مہاراجہ بہادر سے ممتاز ہوئے۔

"وہمین سال (۱۲۴۶ھ) نواب شمس الامرا بہادر را امیر کبیر خطاب دادند ومنصب نہ ہزاری نہ ہزار سوار و پلاٹن با توپ خانہ آتش بار ممتاز ساختند و

علی زماں خان غیور جنگ
منیرالدولہ منیرالملک امیرالامراء

وقتیکہ میر عالم ہم از عالم دنیا بعالم بقا شتافتند
خدمت والائے دیوانی در سال یکہزار دوصدو

(بقیہ حاشیہ صد ۵۴) چندولال را مخاطب بہ راجۂ راجایاں مہاراجہ بہادر فرمودند

(تاریخ امجدی)

۱۰ر شعبان ۱۲۵۹ھ میں آپ کو نواب ناصرالدولہ بہادر نے خدمت پیشکاری سے معزول فرمایا، بدیں وجہ کہ اخراجات و مصارف کے لئے اکثر تقاضے کرتے رہتے تھے آپ کی علیحدگی کے بعد آپ کے برادرزادہ راجہ رام بخش بہادر اس عہدہ سے ممتاز ہوئے۔

درسن یکہزار دوصد و پنجاہ و نہ از تقاضائے راجہ چندولال دربابِ طلب زرہا وصفیکہ بدفعات از خزانہ عامرہ ہشتاد لک روپیہ رعایتاً عطا فرمودہ بودند وہنوز تقاضائے تنخواہ سپاہ و اقربائے سرکار و شاگردپیشہ جاری بود کشیدہ خاطر شدہ بتاریخ دہم ماہ شعبان سن مذکور راجہ چندولال را از خدمت پیشکاری موقوف و معزول کردہ سی ہزار روپیہ ماہانہ بنا بر اخراجات و خیرات مقرر فرمودند و خدمت پیشکاری براجہ رام بخش بہادر برادرزادہ معزول را عنایت کردند (تاریخ امجدی)

آپ نے اپنے زمانہ میں خوب داد دہش کی بیسیوں اصحاب کو جاگیرات و مناصب سے سرفراز فرمایا۔ آپ ایک علم دوست۔ ذی علم، فیاض اور سخی امیر تھے۔ علماء و فضلاء سے آپ کو اُنس تھا اور شعر و سخن سے بڑی دلچسپی تھی، کیونکہ خود بھی بلند پایہ شاعر تھے، آپ کے فارسی و اردو کلیات

بست و چہار بہ منیر الملک بہادر عنایت فرمودند چنانچہ
در بزم خدمت بخشی کپتان طامس سدنہم صاحب بہادر
ثابت جنگ رزیڈنٹ و راجہ چندو لال پیشکار حاضر
بودند آخرش رفتہ رفتہ مدار حل و عقد امور ریاست
در قبضہ راجہ چندو لال پیشکار در آمد و منیر الملک بہادر
صرف برائے نام در تحریر و دستخط قانع ماندند ۔

خطاب امیر الامراء

۱۲۴۶ھ میں بعہد نواب ناصر الدولہ بہادر آپ کو امیر الامراءُ
بہادر کے معزز خطاب سے سرفراز فرمایا گیا اور اسی زمانہ میں چندو لال
راجۂ راجایاں مہاراجہ بہادر کے لقب سے مخاطب ہوئے نیز
نواب شمس الامراء بہادر منصب نہ ہزاری اور خطاب امیر کبیر سے
مشرف و ممتاز ہوئے ۔

(بقیہ صفحہ ۵۲) موجود ہیں ستّاداں تخلص کرتے تھے۔ کلام سنجیدہ، شگفتہ اور عمدہ
مضامین کا خزانہ اور معرفت و تصوف سے پُر ہے مگر آپ کے
اوصاف حمیدہ میں سے سب سے زیادہ مشہور وصف جو زبان زد
خاص و عام ہے وہ آپ کی حاتم صفتی ہے ۔
آپ کو تعمیرات سے بہت دلچسپی تھی، چنانچہ آپ کی بارہ دری مشہور ہے
۱۲۶۱ھ میں آپ نے رحلت فرمائی ۔

وفات

سنہ ۱۲۴۸ھ میں ہیضہ کی بیماری سے آپ فوت ہوئے اور دائرۂ میر مومنؒ میں دفن کئے گئے چنانچہ قطعہ تاریخ از سید نور الحسین المخاطب بہ قادر جنگ درج ذیل ہے۔

چون مرگ امیر الامراء گشت پدید آہ — از دیدہ عالمے نمی اشک چکید
تاریخ سال رحلتش جست خرد — از شش جہت آوازۂ شش در وشنید

اعداد لفظ درد ۲۰۸
۲۰۸ × ۶ = سنہ ۱۲۴۸ھ

قرضہ

نواب منیر الملک بہادر نے ۲۵ لاکھ کا قرضہ چھوڑ کر انتقال فرمایا تھا چنانچہ نظام نے بذات خود یہ قرضہ ادا فرمایا اور ان کی کل جائداد مع تالاب میر عالم بطور کفالت لے لی لیکن سنہ ۱۲۶۳ھ میں مکفولہ جائداد اُن کے فرزند نواب سراج الملک بہادر کو واپس عطا فرمادی۔

عہد وزارت کے اہم واقعات

(۱) پنڈاروں کا ہمیشہ کے لئے انسداد ہوگیا ان کی لوٹ مار سے قلمرو آصفی کو نجات ملی۔

(۲) مرشدزادہ مبارز الدولہ نے دومرتبہ ہنگامہ برپا کیا اور ان کو تادیبًا قلعہ محمد نگر میں نظر بند کیا گیا۔

درسنہ یکہزار و دو صد و چہل و شش ہجری مبارزالدولہ بہادر را بنا بر مصلحتے در قلعہ گولکنڈہ فرستادند آنہا دو سال درآنجا ماندہ باز بدولت خانہ مراجعت فرمودند

(تاریخ امجدی)

(۳) سکھوں اور عربوں میں فساد ہوا اور فتنہ فرو ہونے کے بعد سکھوں کو شہر بدر کیا گیا۔

اولاد

آپ کے چار فرزند تھے۔

۱۔ عبداللہ صاحب قوی جنگ اشجع الدولہ اشجع الملک
۲۔ شجاع الدولہ میر محمد علی خان سالار جنگ
۳۔ میر عالم علی خان سراج الدولہ سراج الملک شیر جنگ
۴۔ محمد تقی خان بہادر اکرام الدولہ اکرام الملک

مختصر سیرت

آپ اپنے دادا کی طرح بڑے مخیر اور سخی تھے، محرم میں بڑی خیرات کرتے، اور سادات و حجاج کی ہر طرح خاطر مدارات کرتے تھے۔

لذیذ کھانوں سے آپ کو رغبت تھی، ہر وقت باورچی خانہ گرم رہتا تھا اور ایک ایک باورچی دو دو سو روپیے تنخواہ پاتا تھا۔

تعمیر سے بھی آپ کو گہری دلچسپی تھی، چنانچہ چینی خانہ اور آئینہ خانہ آپ ہی کی یادگار ہیں۔ اورنگ آباد میں بھی آپ نے ایک محل تعمیر کیا تھا۔

نواب منیر الملک ثانی کے انتقال کے بعد

گذشتہ اوراق میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ نواب منیر الملک ثانی کے عہد مدارالمہامی میں راجہ چندو لال پیشکار تمام امور ریاست پر حاوی تھے اس لئے نواب موصوف کے انتقال کے بعد کسی دوسرے مدارالمہام کی ضرورت نہیں پیش آئی اور جب تک وہ پیشکاری سے معزول نہیں ہوئے کوئی مدارالمہام مقرر نہیں ہوا۔

چون عنان تمشیت دیوانی بقید حیات مرحوم
(منیر الملک ثانی) بقبضۂ اختیار مہاراجہ چندولال
بود بدستور بحال خود ماندند بہ تشریف خدمت
دیوانی احدے مشرف نہ شد،

(امجدی)

مہاراجہ چندو لال کے بعد

۱۲۵۹ھ میں مہاراجہ چندو لال معزول ہوئے اور ان کی جگہ ان کے بھتیجے راجہ رام بخش بہادر مقرر ہوئے اور نواب سراج الملک بہادر بحیثیت وکیل جنرل فریزر صاحب بہادر رزیڈنٹ مقرر کئے گئے، اور کچھ دنوں کے بعد انھیں کو مدار المہامی ملی۔

نواب سراج الملک بہادر

پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ نواب منیر الملک ثانی کے چار فرزند تھے؛ انھیں میں سے ایک نواب سراج الملک بھی ہیں، ان کا نام نامی میر عالم علی خاں تھا بعد میں سراج الدولہ، سراج الملک اور شیر جنگ کے معزز خطابات سے سرفراز ہوئے، نواب میر عالم بہادر آپ کے نانا ہوتے تھے، ۱۲۲۴ھ میں پیدا ہوئے، دو مرتبہ دیوانی پر فائز ہوئے اور برسر خدمت ہونے کی حالت میں انتقال فرمایا۔

پہلی مدار المہامی

آپ نے رزیڈنٹ بہادر کے پاس بحیثیت وکیل ہونے کے

ایسا بہتر کام کیا اور اس خوبی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دئے کہ صاحب موصوف نے اور لارڈ گورنر جنرل صاحب بہادر نے ان سے زیادہ کسی دوسرے کو مدار المہامی کی خدمت کے لئے بہتر نہ پایا۔ اس لئے حضور نظام سے ان کو دیوانی پر فائز کرنے کی سفارش فرمائی، اگرچہ لارڈ صاحب نے۔ اپنے مراسلہ میں کسی شخص خاص کی تصریح نہیں فرمائی تھی، لیکن مدار المہامی و وزارت کے جن خصائل و اوصاف کا تذکرہ کیا تھا ان کے مصداق آپ ہی تھے اور فی الحقیقت اس عہد میں بلحاظ دور اندیشی و معاملہ فہمی کوئی آپ کا ثانی نہ تھا۔ اوّل اوّل حضور نظام اگرچہ چند وجوہ کی بنار پر شمس الامراء کو دیوانی پر فائز کرنا چاہتے تھے جن میں سے سبب اقوی ان کی قرابت قریبہ تھی، لیکن بعد میں انھوں نے لارڈ صاحب و رزیڈنٹ صاحب کی رائے سے اتفاق فرمایا۔

رزیڈنٹ بہادر نے نواب سراج الملک کے متعلق دربار میں بقول (امجدی) یہ ارشاد فرمایا تھا کہ۔

این خدمت در خانۂ سراج الملک بہادر از
چند پشت می آید و مارا از ایشان و ایشان را
از ما سابقہ ہا افتادہ است

اس میں کوئی شک نہیں کہ جب تک کوئی شخص حکومت آصفیہ اور حکومت برطانیہ دونوں کی طرز حکومت اور حالات سے کما حقہٗ

آگاہ نہ ہو اس کی وزارت ناقص ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں ایسے معاملہ فہم و دور رس اشخاص کی بہت کمی تھی،

اسی واقفیت کا نتیجہ تھا کہ نواب میر عالم بہادر عہدۂ وکالت پر فائز ہوئے اور دونوں سرکاروں کا اعتماد حاصل کیا اور یہی واقفیت تھی جس سے نواب سراج الملک مدارالمہام ہوئے۔

۷، اسر ذی قعدہ ۱۲۶۲ھ میں آپ بحسن انتخاب سرکار نظام و سرکار انگریزی مدارالمہامی پر فائز ہوئے مصرعہ تاریخ حسب ذیل ہے

سراج الملک عدالت وزیر آصف جاہ

۱۲۶۲ھ

آپ نے جب اس عہدہ کا جائزہ لیا تو ریاست کی حالت نہایت خراب تھی لیکن آپ کے حسن انتظام سے ہر شعبہ کی اصلاح ہوئی،

آپ کی سبکدوشی اور دوسرے وزراء کا تقرر

بقول مصنف تاریخ امجدی و مصنف بستان آصفیہ ۱۵ ذی الحج ۱۲۶۴ھ میں نواب سراج الملک بہادر نے اپنی خدمت سے سبکدوشی حاصل فرمائی اور دوسرے امراء یکے بعد دیگرے وزیر ہوئے لیکن اس خدمت پر کسی کو قیام و ثبات حاصل نہ ہوا،

در سنہ یک ہزار و دو صد و شصت و چہار
سراج الملک بہادر را از خدمت دیوانی
معزول فرمودند و بتاریخ چہار دہم ماہ
ربیع الثانی روز سہ شنبہ سن یکہزار و دو صد
شصت و پنج بعد نماز مغرب شمس الامراء امیر
کبیر را بخلعت شش پارچہ گران بہا نواختند۔

(امجدی)

نواب موصوف کی سبکدوشی کے بعد صرف ایک ماہ کے لئے
نواب سیف جنگ ابن امجد الملک منصب وزارت پر فائز ہوئے
تھے لیکن اختصار مدت کی وجہ سے صاحب تاریخ امجدی نے ان کا
تذکرہ نہیں کیا'
نواب شمس الامراء کے انتقال کے بعد پھر راجہ رام بخش
مدار المہام ہوئے اور کچھ دنوں بعد ان کی جگہ راجہ پرتاب ونت
کے پوتے راجہ گنیش راؤ کو ملی۔

نواب سراج الملک بہادر دوبارہ منصب دیوانی پر

۲۸ شعبان ۱۲۶۷ھ کو نواب سراج الملک بہادر دوبارہ
منصب مدار المہامی پر تقریباً ۲½ سال بعد فائز ہوئے اور اس
خدمت کو آپ نے آخر حیات تک انجام دیا، آپ کے عہد میں

چند زبردست واقعات ظہور پذیر ہوئے جو حسب ذیل ہیں۔

(۱)۔ عربوں اور روہیلوں کا فساد

(۲)۔ مبارز الدولہ کی ہنگامہ خیزی

(۳)۔ تفویض ملک برار

واقعات مذکورۂ بالا میں سب سے زیادہ اہم تفویض برار کا واقعہ ہے جو حیدر آباد کی تاریخ میں ہمیشہ سانحۂ عظیم کے نام سے یاد کیا جائے گا، اس واقعہ کا ذمہ دار بعض لوگ نواب صاحب موصوف کو ٹھہراتے ہیں لیکن میرے خیال میں یہ بات غیر وقیع اور فضول ہے۔ اگر اس وقت کے حالات کو مدنظر رکھا جائے اور ساتھ ہی اس امر کو بھی نظر انداز نہ کیا جائے کہ کس موقعہ پر ان کو مدارالمہامی ملی؟ اور اس زمانے میں ریاست کس دور سے گذر رہی تھی تو غالباً یہ سطحی خیال باطل ہو جائے گا۔

نواب صاحب۔ موصوف کی مدارالمہامی سے پیشتر مہاراجہ چندولال بہادر منصب دیوانی پر فائز تھے جو نواب نیر الملک بہادر ثانی ہی کے عہد سے سلطنت کے تمام نظم ونسق پر حاوی تھے، جن کی دریا دلی اور مزاج شاہانہ نے حکومت کے میزانیہ کا توازن بگاڑ رکھا تھا۔ نظم ونسق کی یہ کیفیت تھی کہ مہاراجہ کی بیدار مغزی و حسن و انتظام کے باوجود مالگزاری کا کوئی خاص بندوبست نہ تھا سلطنت کے کاروبار عرب جمعداروں کے سپرد تھے اور وہ بری طرح

نواب سراج الملک بہادر وزیراعظم دولت آصفیہ

حاوی تھے مستاجری کے طریقہ سے تمام رعایا پریشان تھی، اور خرچ آمدنی سے زیادہ تھا، مزید برآں کنٹنجنٹ کا صرفہ مرے پر سو درے کا مضمون تھا۔ مہاراجہ بہادر کو بار بار سرکار سے روپیہ طلب کرنے کی ضرورت پیش آتی تھی جس سے پریشان ہو کر نظام نے انھیں معزول کر دیا۔

نواب سراج الملک نے زمام وزارت ہاتھ میں لینے کے بعد بہت کچھ نظم و نسق کو سدھارنے کی کوشش فرمائی لیکن سالہا سال کا بگڑا ہوا انتظام اتنی جلد درست نہ ہو سکتا تھا۔ علاوہ بریں اس وقت کے امراء و جاگیرداران کی ریشہ دوانیاں دم مارنے کی مہلت بھی نہ دیتی تھیں آخرکار نتیجہ یہ ہوا کہ کنٹنجنٹ کی تنخواہ ادا نہ ہو سکی اور سرکار عالی کو برار جیسا ملک انگریزوں کے قبضہ میں دینا پڑا۔

یہ ایک کھلا ہوا تاریخی اصول ہے کہ کسی بادشاہ یا وزیر کو بدانتظامی کا الزام دینے سے پہلے ماحول اور حالات حاضرہ پر غور کرنا چاہیئے اور اس اصول کے تحت موصوف کسی الزام کے مستحق قرار نہیں پاتے اور عوام کا یہ خیال کہ چونکہ ان کے عہد میں تفویض برار کا قضیہ پیش ہوا لہذا وہی اس کے ذمہ دار ہیں، کسی طرح درست نہیں ہو سکتا۔

نواب صاحب نے اخروقت تک کوشش کی کہ برار سرکار عالی کے

قبضہ سے نہ نکلنے لیکن قوت بالادست کا منشا یہی تھا کہ قرض کے سلسلہ میں ملک برار لے کر رہے چنانچہ ایسا ہی ہوا، دھمکی اور سختی کے تمام ذرائع نہایت آزادی کے ساتھ استعمال کئے جا رہے تھے، اور بار بار یہ دباؤ ڈالا جاتا تھا کہ اگر فیصلہ حسب منشا نہ ہوا تو جبراً ملک پر قبضہ کیا جائے گا۔

نواب سراج الملک سے کرنل جان لو رزیڈنٹ اور ڈیوڈسن صاحب نے جو آخری گفتگو کی وہ یہ تھی کہ

ما را می دہند یا نمی دہند جواب صاف بدہند
ما دام کہ جواب نخواہیم یافت نامہ و پیغام
فیما بین ما و شما موقوف خواہد ماند ڈیوڈسن صاحب
گفتند کہ حکم صدر بر پونا صادر شدہ است دو
پلاٹن سوبحران برائے آمدن حیدرآباد مستعد
اند وقتیکہ پلاٹن خواہند آمد مقام سوال و جواب
نخواہد ماند و معاملہ دیگرگون خواہد شد۔

(امجدی)

یہ دھمکی صاف ظاہر کرتی ہے کہ برار پر سرکار انگلیشیہ کا قبضہ ضروری اور طے شدہ تھا، ایسی صورت میں جو شخص بھی مدارالمہام ہوتا اُسے مجبور ہونا پڑتا۔

اب رہ گئی قرض کی ادائی تو وہ ریاست کے بگڑے ہوئے

انتظام اور آمد و خرچ کے لحاظ سے ناممکن تھی، چنانچہ جان لو نے
حضور نظام سے بوقت تفویض صاف کہا تھا کہ
از ترو دیوان حضور و اہلکاران ریاست ادائے دین ممکن نبود

انتقال

تفویض برار کے عہد نامہ پر دستخط ہونے کے پانچ روز بعد
۱۷ شعبان ۱۲۶۹ھ میں آپ نے دنیائے فانی کو خیرباد فرمایا۔ آپ
نہایت منتظم، نکتہ رس، دور بیں، رحیم، عادل اور خوش اخلاق وزیر
تھے، لیکن ماحول کی خرابی اور اس عہد کے حالات گوناگوں نے
اصلاحات کا کما حقہٗ موقعہ نہ دیا تاہم ریاست کے نظم و نسق کو
آپ نے حتی الوسع سدھارنے کی کوشش فرمائی اور ایک حد تک
کامیاب رہے۔

ہز ایکسلنسی نواب میر تراب علی خان بہادر سر سالار جنگ
شجاع الدولہ مختار الملک اول

جی، سی، یس، آئی، ڈی، سی، ایل مرحوم و مغفور

رباعی

اعتضاد آصفی ہم مستشار و موتمن ۔۔۔ مورد لطف خداوندی امیر صف شکن
جان اشباح سخا سالار جنگ مختار الملک ۔۔۔ دار وئی درد عنا قرخندہ دیوان دکن

جناب کا نام نامی واسم گرامی تاریخ دکن کے صفحات پر ہمیشہ آبِ زر سے لکھا جائے گا اور رہتی دنیا تک آپ فلکِ عزت و جاہ پر آفتاب کی طرح درخشاں رہیں گے، آپ کا عہد وزارت بہ ہمہ وجوہ حیدرآباد کے لئے پیغام نہضت و ارتقاء اور مقدمہ عروج و اقبال تھا، آپ کی ذات ستودہ صفات بلاشبہہ اس ابر گہربار کی طرح تھی جس کا دامن، دریائے بوقلموں سے لبریز ہو آپ ایک ایسے مہرتاباں تھے جس کی شعاعیں رنگارنگ ہوں، آپ کا دماغ گہوارۂ مدنیت تھا جس نے ملک و ملت کو وہ روہ جواہر گوناگوں عنایت فرمائے کہ آج دکن کی عمرانیت و تہذیب اپنی درخشانی و تابانی کے لئے بہت کچھ ان کی رہین منت ہے، خدا ان کی تربت پر اپنی رحمت کے پھول برسائے اور اپنے جوار میں جگہ دے،

مصنف تاریخ امجدی نے چند ابیات آپ کی مدح میں لکھے ہیں جو بہت کچھ آپ کے اوصاف کو صحیح طور پر نمایاں کرتے ہیں اس موقعہ پر انھیں سپرد قلم کیا جاتا ہے۔

اے فخر خاندان بزرگی و اعتلا ۔۔۔ وے ملک و دین زرائے منیر تو پر ضیا
شیرازہ بند دفتر منشور عدل و ملک ۔۔۔ معمار قصر دولت آصف ابد بیا
تدبیر تو نمونۂ تقدیر ایزدی ۔۔۔ آرے نمی شود چو تقادیر حق خطا
دیدندے گر سکندر و جمشید نظم تو ۔۔۔ کردندے بر رزانت رائے تو مرحبا

میر تراب علی خان شجاع الدولہ نواب مختار الملک
سالار جنگ بہادر اول وزیراعظم دولت آصفیہ

مختار ملک ہستی و ناز و بتو جہاں — گلزار مملکت ز تو سرسبز دائما
اے افتخار بزم تو سرمایۂ حیات — لیکن اگر نصیب شود خضر رہ نما
امروز کس نشان نہ دہد و ربسیط خاک — مانند آستان درت مامن رضا
برتست پاس خاطر بیچارگان و شکر — بر ما و بر خدائے جہاں آفرین جزا
امجد مس است و جملہ کلامش نحاس و صفر — اکسیر التفات و نگاہ تو کیمیا

اس سے پہلے بتایا جاچکا ہے کہ نواب سراج الملک کے علاوہ نواب منیر الملک کے تین فرزند اور تھے جن میں سے ایک نواب محمد علی خاں شجاع الدولہ تھے، چنانچہ فخر دکن عالی جناب نواب مختار الملک بہادر آپ ہی کے فرزند ارجمند تھے جنھوں نے ریاست کو حیات نو بخشی اور ترقی اور تمدن کے نئے راستے کی طرف ہدایت فرمائی۔

اسم گرامی و خطابات

اسم گرامی نواب میر تراب علی خاں بہادر ہے اور ہز اکسلنسی سر سالار جنگ شجاع الدولہ مختار الملک جی، سی، یس، آئی، ڈی، سی، ایل، وغیرہ خطابات ہیں جو حکومت آصفیہ اور حکومت انگلیشیہ خدمات جلیلہ کی بنا ر پر آپ کو ملے،

والدۂ ماجدہ

آپ کی والدہ ماجدہ فخر خواتین زینت النسا بیگم صاحبہ اور نانا مختار الدولہ سید کاظم علی خان رضوی بہادر مرحوم ابن شہاب جنگ معصوم علی خان بہادر تھے جو سادات نیشاپور (ایران) سے تھے

پیدائش اور ابتدائی تعلیم و تربیت

آپ ۲۴ رجادی الثانی ۱۲۴۲ھ کو پیدا ہوئے، اور نہایت کم سنی کے زمانہ میں والد بزرگوار کا سایہ سر سے اٹھ گیا، آپ کے جد امجد نواب نیر الملک بہادر آپ سے بہت محبت کرتے تھے چنانچہ مشہور ہے کہ چار سال کے سن میں ایک مرتبہ آپ تپ شدید میں مبتلا ہوئے اور مرض نے خطرناک صورت اختیار کرلی، یہ دیکھ کر شفیق دادا سے صبر نہو سکا اور بارگاہ ربانی میں یہ دعا فرمائی کہ خداوندا! اگر اس بچے کی موت آنے والی ہے تو اس کے عوض مجھے اس دنیا سے اٹھالے، یہ دعا اپنی نوعیت کے لحاظ بالکل اسی طرح تھی جیسے کسی زمانہ میں بابر بادشاہ نے اپنے بیٹے ہمایوں کے لئے کی تھی، کہا جاتا ہے کہ نواب مرحوم کی یہ دعا بارگاہ ایزدی میں مقبول ہوئی، چنانچہ نواب میر تراب علی خاں بہادر تندرست ہو گئے اور

نواب نیر الملک بہادر نے اس واقعہ کے بعد ہی انتقال فرمایا۔

آپ کی ابتدائی تعلیم کچھ بھی نہیں ہوئی، کیونکہ بچپن میں بیمار ہو جانے کی وجہ سے تقریباً تیرہ سال کی عمر تک آپ بہ سبب ضعف تحصیل علوم میں مکمل طور پر منہمک نہ ہو سکے، یوں تو آپ کی دادی صاحبہ (بنت میر عالم بہادر) نے چھ سال کی عمر سے تعلیم و تربیت شروع کر دی تھی مگر صحیح طور پر آپ کی تعلیم نہیں ہو سکی۔

والدہ کے انتقال کے بعد آپ کے حقیقی چچا نواب سراج الملک بہادر آپ کی تربیت کے ذمہ دار ہوئے اور چونکہ ان کی کوئی اولاد نہ تھی اس لئے انہوں نے اپنی تمام تر توجہ انھیں کی طرف مبذول کر دی۔

آپ کے بچپن میں خاندانی حالات کچھ اس نوعیت کے تھے کہ ان کے لئے اتنے روشن مستقبل کی امید نہیں قائم کی جا سکتی تھی، نواب نیر الملک مرحوم کی وزارت برائے نام تھی اس کے علاوہ ان کے مصارف شاہانہ تھے، چنانچہ ۲۵ لاکھ کا قرضہ چھوڑ کر انتقال فرمایا۔ حضور پرنور ناصر الدولہ بہادر نے ان کا قرضہ ادا کر دیا لیکن بطور کفالت ان کی جائداد معہ تالابِ عالم نزول کر لی، جاگیر کی حالت درست نہ تھی مالی پریشانیاں لاحق تھیں، ظاہر ہے کہ ان حالات و کیفیات کے تحت نواب مختار الملک کے لئے یہ امید

نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ تمام ہندوستان کے لئے باعث فخر ہوں گے۔
گیارہ سال کی عمر سے آپ کی تعلیم نہایت توجہ کے ساتھ ہونے لگی
اور اس زمانے کے مطابق عربی و فارسی ادب نیزہ بازی و سواری
وغیرہ کی تعلیم دی گئی۔ آپ کو فطرۃً گھوڑے کی سواری کا زیادہ شوق
تھا۔ چنانچہ آپ نے اس شوق کی وجہ سے کئی مرتبہ خوفناک واقعات
سے دو چار ہوئے، آپ نے عنفوان شباب ہی میں کسی قدر انگریزی
بھی حاصل کی تھی رزیڈنسی کی آمد و رفت نے سونے پر سہاگے کا
کام کیا اور رفتہ رفتہ اس میں اتنی مہارت پیدا ہو گئی کہ بایدوشاید
نواب سراج الملک بہادر نے محض کتابی علوم کا انتظام نہیں فرمایا،
بلکہ کاروبار ریاست کے تجربات کا موقعہ بھی آپ کو دیا۔ یہی وجہ
تھی کہ آپ کا عملی تجربہ بہت بڑھ گیا تھا۔

سرکاری کام کی ابتداء

نواب صاحب مرحوم نے سرکاری کام کی ابتداء ۱۸۴۷ء
مطابق ۱۲۶۳ھ سے فرمائی اس کی صورت یہ ہوئی کہ آپ کے چچا
نواب سراج الملک بہادر نے مسٹر ڈائیٹن کی جگہ انھیں کھمم کا تعلقدار
کر کے بھیجا، مسٹر ڈائیٹن کی موقوفی کی یہ وجہ تھی کہ اس زمانہ میں
گورنمنٹ انگلیشیہ نے ممانعت کر دی تھی کہ ریاست میں کسی یورپین
افسر کا تعین عمل میں نہ آئے۔ اگرچہ نواب صاحب نے صرف

آٹھ مہینے اس خدمت کے فرائض انجام دئے، لیکن اس سے انھیں بہت فائدہ پہونچا، اور انتظامی حیثیت سے آپ کا تجربہ بڑھ گیا اس کے علاوہ ۱۸۴۸ء مطابق ۱۲۶۴ھ میں جب نواب ناصر الدولہ نے وہ تمام جائداد جو نواب منیر الملک کے قرضہ کے عوض ضبط ہوگئی تھی، سراج الملک کو واپس عنایت فرمائی تو مختار الملک مرحوم اس کے انتظام پر مامور ہوے اور اس کام سے بھی آپ کے تجربہ میں بہت اضافہ ہوا۔

بچپن کی ذہانت

نواب صاحب کی ذہانت و ذکاوت ابتدائے سن ہی سے ظاہر ہوتی تھی اور معلوم ہوتا تھا کہ کسی زمانہ میں آپ کچھ ہوں گے

بالائے سرش ز ہوشمندی   می تافت ستارۂ بلندی

نواب سراج الملک بھی نہایت مردم شناس تھے انھوں نے اپنے بھتیجے کی ذہانت کو دیکھ کر اپنا مشیر بنا لیا تھا اور خاص خاص امور میں آپ سے مشورہ بھی لیا کرتے تھے۔

وزارت کی اہم خدمت

نواب سراج الملک مرحوم کے انتقال کے پانچویں دن بتاریخ ۲۲ رشعبان ۱۲۶۹ھ ۱۸۵۳ء کو حضور ناصر الدولہ نے مختار الملک بہادر کو

خلعت وزارت سے سرفراز فرمایا اور ایک عدد سرپیچ عنایت کی، اس وقت کرنل لو صاحب رزیڈنٹ حیدرآباد بھی موجود تھے۔ ساتھ ہی راجہ نریندر پرشاد کو منصب پیشکاری سے سرفراز فرمایا گیا صاحب تاریخ امجدی اس واقعہ کی تفصیل یوں کرتے ہیں۔

حضرت بندگان عالی کہ ذات بابرکات ایشاں محک امتحان قابلیت وجوہر شناس مردم ذی جوہر بود بتاریخ بست ودوم شعبان روز سہ شنبہ یکہزار دو صد و شصت و نہ سالار جنگ بہادر فرزند شجاع الدولہ بہادر را در سن بست و سہ سال در عین عنفوان شباب از خدمت دیوانی موروثی سرفراز و ممتاز فرمودند و راجہ نریندر پرشاد پسر راجہ بالا پرشاد ابن راجہ چندو لال در عمر بست و چہار سال بخدمت پیشکاری جدی مامور شدند۔

نواب مختار الملک مرحوم نے خود اپنے ایک خط میں جو انھوں نے مسٹر ڈائیٹن کے نام لکھا تھا نواب سراج الملک بہادر کے انتقال پر ملال اور اپنی وزارت کی کیفیت حسب ذیل الفاظ میں تحریر فرمائی تھی۔

اس ڈاک میں آپ کو میرے چچا کے انتقال کی افسوس ناک خبر (جو ۲۶ ؍ ماہ گذشتہ کو ہوا) پہونچے گی چند روز سے ان کو بخار وغیرہ کی شکایت چلی آتی تھی لیکن ۲۰ ؍ ماہ گذشتہ کو ان پر اس قدر مرض و ضعف کا غلبہ ہوا کہ نشست و برخاست سے بالکل معذور ہو گئے باوجود شدت علالت کے جب ان کو قدرے افاقہ ہوا تو بروز شنبہ شریک دربار ہوئے اور حضور کی طرف سے گورنمنٹ انگریزی کے ساتھ معاہدۂ جدید کی تحریر و تکمیل کی اس کے بعد ان کی حالت ابتر ہو گئی مرض نے لمحہ بہ لمحہ ترقی کرنی شروع کی چوبیسویں تاریخ بروز دوشنبہ حسب صلاح ڈاکٹر میکلین نقل مکان کیا گیا اور پستن جی کے مکان واقع چادر گھاٹ پر ان کو لے گئے تو بھی ان کی حالت آناً فاناً ابتر ہوتی ہو گئی آخر کار ۲۶ ؍ مئی روز پنجشنبہ ۷ ؍ بجے شام کو انتقال فرمایا۔ نعش کو شہر میں لے گئے اور دوسرے روز تجہیز و تکفین ہوئی جو صدمہ کہ ہم لوگوں کو خصوصاً دادی صاحبہ کو پہونچا اس کا بیان غیر ممکن ہے مجھے یقین ہے کہ آپ کو بھی بہت ملال ہو گا۔ اس سانحہ میں مجھے اس جدید معاہدہ کی نقل

بھیجنے کی مہلت نہ ہوئی لیکن جنرل فریزر کو ایک
نقل بھیجی ہے یقین ہے کہ آپ کی نظر سے بھی
گذرے گی، تیسویں مئی کو بروز دو شنبہ حضور پر نور نے
دفعتہً یاد فرمایا اور ارشاد ہوا کہ دو سرپیچ بھی
حاضر رہیں اور صاحب رزیڈنٹ بہادر بھی اسی وقت
مدعو ہوں چنانچہ ۳۱ رمئی کو دربار ہوا اور میری یا
دادی صاحبہ کی درخواست کے بغیر حضور پر نور نے
مجھے خلعت دیوانی اور راجہ نرندر بہادر کو خلعت
پیشکاری مرحمت فرمایا۔

جی چاہتا تھا کہ عم مرحوم کی جاگیر پر قابض رہ کر
گوشہ نشینی میں بسر کروں اور اپنی عمر کو ان خدشات
وافکار میں نہ گذاروں جو عہدۂ دیوانی کے ساتھ
متعلق ہیں۔ خصوصًا ان دنوں میں جو حوادث
گوناگوں سے ایک تلاطم پیدا ہے، لیکن ممکن نہوا اور
میرے یورپین اور ہندوستانی دوستوں کی یہ صلاح
قابل تسلیم نظر آئی کہ اگر میں اس عہدے سے انکار
کروں گا تو میں اور میرا خاندان تباہی میں پڑ جائے گا
اگر خدا نے چاہا تو حتی المقدور اس امر میں کوشش کروں گا
کہ اس سلطنت کو انواع انواع کی پیچیدگیوں اور

طرح طرح کی الجھنوں سے نکالوں اور انتظام درست کروں ۔ (مرقعہ عبرت)

"بزرگی بعقل است نہ بہ سال"

یہ عجیب اتفاق ہوا کہ جس زمانہ میں نواب مختار الملک مرحوم خدمت وزارت سے سرفراز ہوئے، اس وقت ان کے علاوہ تقریباً تمام بڑے عہدہ دار کم سن اور نوجوان تھے چنانچہ راجہ نریندر پرشاد کی عمر جو بیس سال کی تھی، صدر الصدور اکیس سالہ نوجوان تھے اور قلعدار گولکنڈہ کی وفات کے بعد اُن کا فرزند جو صرف چار سال کا تھا اس منصب سے سرفراز ہوا تھا۔ اسی لئے کسی شاعر نے ان سب ارکان کی سرفرازی کا مادہ تاریخ نکالا تھا

ع ندا آمد ریاست جملہ بازی گاہ طفلان شد

لیکن حیدر آباد کی تاریخ کا ایک ایک ورق نواب ناصر الدولہ کی مردم شناسی و ژرف نگاہی کی شہادت دیتا ہے۔ اسی کم سن اور نوجوان مختار الملک نے مملکت کی کشتی کو گرداب بلا سے بچالیا اور اس قدر چابک دستی کے ساتھ کہ بڑے بڑے دیرینہ سال سیاست دان منھ دیکھتے رہ گئے سچ ہے کہ

ع "بزرگی بعقل است نہ بہ سال"

بیت۔ کودکے کو بعقل پیر بود نزد اہل خرد کبیر بود

نواب مرحوم کی سیاسی قابلیت اور ذہانت و ہوشمندی کی تعریف صاحب تاریخ امجدی ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

از متانت و رزانت رائے و فکر دور اندیش
تحمل و سطوت و نظم و نسق نواب سالار جنگ چہ
نوشتہ شود کہ این چنین دستور بر وسادۂ وزارت
دکن کم کسے بودہ باشد

بیت

جوان و جوان بخت و روشن ضمیر   بہ دولت جوان و بہ تدبیر پیر

نواب مرحوم کی اصلاحات ملکی کا صحیح طور پر خاکہ ذہن نشین نہیں ہو سکتا، جب تک کہ اس زمانہ کے ماحول کا نقشہ نہ کھینچ دیا جائے اس سے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصراً اس وقت کے کچھ حالات قلمبند کئے جائیں۔

نواب مختار الملک سے پہلے ملک کی حالت

نواب صاحب موصوف کی وزارت سے پہلے جو خرابیاں حیدرآباد میں تھیں وہ کسی معمولی ریاست میں بھی نہوں گی، قرضہ کی بدولت ملک کا بڑا حصہ مہاجنوں کے ہاتھ میں تھا اور عرب جمعدار ملک کے حقیقی حکمراں بنے ہوئے تھے، فی الحقیقت اُس وقت

کوئی یہ خیال بھی نہ کر سکتا تھا کہ کچھ دنوں بعد ملک کی حالت کچھ سے کچھ ہو جائے گی۔

نواب مرحوم کی کم سنی، نواب سراج الملک بہادر کی طرف سے عام غلط فہمی اور سوء ظن یہ سب باتیں ایسی تھیں کہ اس قدر اصلاحات کا تخیل بھی قائم نہیں ہو سکتا تھا جو بعد میں ظہور پذیر ہوئیں، ۱۸۵۳ء میں صیغہ مال کی جو رپورٹ شائع ہوئی تھی اس کے پڑھنے سے اس عہد پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ اس لئے اس کا اقتباس درج ذیل کیا جاتا ہے۔

> انھوں نے یعنی نواب مدار المہام سالار جنگ نے انتظام ملکی اور خزانہ کی حالت نہایت ابتر پائی اور سب سے بڑی خرابی یہ ہوئی کہ عین اس زمانہ میں جبکہ اُنھوں نے یعنی سراج الملک نے انتظام دیوانی اپنے ہاتھ میں لیا اضلاع برار و رائچور و دوآب و نلدرک جن کی آمدنی اس زمانہ میں ۴۳۴۷۹۳۳ روپیہ سالانہ کی تھی و نیز اضلاع بھام والپور وغیرہ سرکار عظمت مدار ایسٹ انڈیا کمپنی کے حوالہ کر دیا اس واقعہ کی وجہ سے ملک اور بھی ضعیف ہو گیا،
>
> (مرقعہ عبرت)

نواب صاحب نے جب مدار المہامی کی باگ اپنے ہاتھوں میں

لی تو کنٹنجنٹ کے قرضے اور اس کے سالانہ اخراجات سے
نجات مل چکی تھی، کیونکہ ان کے معاوضہ میں اضلاع برار و
رائچور وغیرہ نکل چکے تھے، لیکن ایک کثیر التعداد جاگیرداروں کی
جاگیریں ان اضلاع میں تھیں، اور انگریزی گورنمنٹ نے ان کو
بیدخل کر دیا تھا، جاگیردار ایلچ پور وبھوم۔ سلطان نواز جنگ،
دلاور نواز جنگ، بڈھن خاں، عبداللہ بن علی، عمر بن عود وغیرہ نے
اپنی جاگیروں کے معاوضہ کا دعوئ کیا، ان میں سے ہر ایک کے
دعوی کی مقدار پانچ لاکھ سے تیس لاکھ روپیہ تک تھی اور کوئی
آمدنی ایسی باقی نہ تھی جس سے حضور پر نور کے قرابت داروں
اور منصب داروں کو کچھ دیا جائے۔

حضور پر نور خود اپنے رہن شدہ جواہرات کے چھڑانے کی
فکر میں تھے جن کو مسٹر ڈائیٹن انگلستان لے گئے تھے۔

اس قرضہ کی مقدار جو اس ملک کے ساہوکاروں کا تھا
دو کروڑ ستر لاکھ تھی۔ ملک کی آدھی آمدنی اور کل اقتدارات
عربوں کے ہاتھ میں تھے۔

عدالتوں کی حالت اس عہد میں ناگفتہ بہ تھی۔ عہدہ داران
عدالت کی ہدایت اور ان کو اپنے فرائض منصبی کی تعمیل میں پابند
کرانے کے لئے نہ کوئی قواعد و قوانین جاری تھے اور نہ مقدمات
دیوانی اور فوجداری میں کسی قسم کی تفریق تھی۔ دیوان درحقیقت

خود جج تھے اور ہر قسم کے فیصلہ جات مقدمات دیوانی و فوجداری بذریعہ دفتر عرائض ان کے سامنے پیش ہوتے تھے۔

آپ کی وزارت سے پہلے خاص عدالتی اختیارات صوبہ کو حاصل تھے صوبہ صاحب دیوانی مقدمات کا فیصلہ کرتے تھے، اور کوتوال خاص ناظم فوجداری تھے، اضلاع میں عدالتی کام عملداروں کے سپرد تھا اور ان کو کل مقدمات دیوانی و فوجداری سپرد تھے، فوجداری میں قاضیوں سے مدد ملتی تھی، جن مقدمات میں ہندو فریق رہتے تھے پنچایت سے فیصلے ہوا کرتے تھے اس زمانہ میں بلدہ کی خاص عدالتیں دارالقضا محکمہ جات کوتوالی اور صدرالصدوری ہی تھے، محکمہ موخرالذکر میں مقدمات یومیہ داراں و قضاءت وغیرہ فیصل ہوتے تھے یہ عدالتیں فقط زبانی تجاویز صادر کرتی تھیں، اور ان کے فیصلوں کا مرافعہ جائز نہ تھا، مگر ان کے فیصلوں کی نہ تو وقعت ہوتی تھی، اور نہ ان کی تعمیل کرائی جاتی تھی، ہر ایک فریق مقدمہ اپنی طرف فیصلہ کروا سکتا تھا اور مجرم و قرضدار کسی زبردست رئیس کے مکان میں پناہ گزیں ہونے سے قانون کے اثر سے محفوظ رہ سکتے تھے علاوہ بریں جن مقدمات کا ان عدالتوں میں فیصلہ ہونا چاہیئے تھا اکثر مدارالمہام کے سامنے پیش ہوتے تھے اور وہ بغیر لحاظ کسی قانون وغیرہ کے فیصلے کر دیا کرتے تھے

اضلاع میں کوئی باقاعدہ عدالت وغیرہ کا انتظام نہ تھا سوداگر اور تجار عموماً عربوں وغیرہ کو نوکر رکھتے تھے اور انھیں کے ذریعہ سے قرضداروں سے اپنی رقم وصول کرتے تھے۔ ڈکیتی اور چوریاں عام طور سے روز مرّہ ہوا کرتی تھیں، اور ان کے انسداد کا کوئی بندوبست نہ تھا، کیونکہ محکمہ پولیس باقاعدہ نہ تھا۔

ان تمام خرابیوں کے سوا مالگذاری کی حالت خاص طور پر نہایت خراب اور ناقص تھی۔ مالگذاری کے وصولی کا انتظام مستاجروں کے ذریعہ سے ہوتا جو رعایا پر طرح طرح کے مظالم روا رکھتے تھے، الغرض حکومت کا کوئی شعبہ ایسا نہ تھا جو نقائص سے پاک و صاف ہو، اس کے علاوہ عمائد وارا کین سلطنت عموماً خوشامدی، طامع اور رشوت ستان تھے اور وہ کسی طرح کسی باویانت کارگذار اور فرض شناس دیوان سے تعاون کے لئے تیار و آمادہ نہ تھے، ظاہر ہے کہ اس ماحول میں نواب سالار جنگ مرحوم کو کن دقتوں کا سامنا ہوا ہوگا قدم قدم پر مشکلات تھیں اور جگہ جگہ دشواریاں جو بڑے سے بڑے مدبر کی ہمت کو پاش پاش کردینے کے لئے کافی تھیں، مگر یہ صرف نواب صاحب مرحوم کا عزم بالجزم تھا جس نے کسی چیز کی پروا نہیں کی اور ملک کو ترقی کے راستہ پر لگا دیا۔

نواب مختار الملک بہادر کی اصلاحات
کا
ایک مختصر خاکہ

اس موقعہ پر تمام اصلاحات کی تفصیل سے پہلے ایک مختصر سا خاکہ بڑی بڑی اصلاحات کا پیش کیا جاتا ہے تاکہ ایک اجمالی نظر ان سب پر پڑ جائے اور صحیح طور پر یہ اندازہ ہو سکے کہ نواب صاحب نے ملک کی کس طرح کایا پلٹ دی۔

(۱) مالگزاری کا جدید انتظام ہوا، قدیم طریقہ ملک کو قول اور ٹھیکہ پر دینے کا موقوف کیا گیا اور اس کی بجائے خود سرکار نے محاصل کے وصول کرنے کا قاعدہ جاری کیا، ملک چار صوبوں میں تقسیم کیا گیا، مجلس مالگزاری قائم کی گئی تحصیلدار، صوبہ دار اور تعلقدار مقرر ہوئے۔

(۲) عدالت کے لئے محکمہ جات فوجداری، دیوانی اور عدالت العالیہ کا قیام عمل میں آیا اور منتظم طور پر عدالت کا کاروبار ہونے لگا۔ عدالتوں کے لئے شرع اسلام اور دھرم شاستر کو قانون قرار دیا گیا اسی لحاظ سے فیصلے ہونے لگے۔

(۳) ملک کی تعلیم کی طرف پوری توجہ کی گئی اضلاع اور متعلقات میں مدرسے کھولے گئے حیدر آباد میں مدرسہ دارالعلوم مدرسہ عالیہ وغیرہ کا افتتاح کیا گیا۔

(۴) تعمیرات کے لئے جدید محکمہ قائم ہوا نئے راستے بنائے گئے اور قدیم عمارات میں ترمیمات ہوئیں۔

(۵) قلمرو آصفی میں ریل اور تار جاری ہوئے، فوج کی اصلاح ہوئی اور باقاعدہ فوج کی بنیاد پڑی۔

وزارت کے بعد سب سے پہلا کام

یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ اس قدر اصلاحات کسی وزیر کے لئے غیر ممکن تھیں جب تک کہ اسے غیر معمولی طور پر اپنے اقتدار سے کام لینے کی اجازت نہ دی جاتی اور اسے مختار نہ بنایا جاتا اسی لئے نواب صاحب نے اس عہدۂ جلیلہ سے سرفراز ہوتے ہی حضور نظام سے ایک درخواست کی جس کا مضمون بقول صاحب مرقعہ عبرت یہ تھا۔

خانہ زاد کی طرف سے اس امر کی درخواست کیجاتی ہے کہ حضور پر نور کے اعزہ و ملازمین ذاتی اور فوج صرفخاص کی تنخواہ ماہانہ کی نسبت اور نیز موقوفی و بحالی تعلقداران اور حساب کی جانچ اور نئی فوج کی بھرتی کے بارے میں جو تدابیر کمترین اختیار کرے حضور پر نور اس کو منظور فرمائیں اور

یہ کہ کمترین کو اجازت دی جائے کہ ملازمین فوج و
دیوانی کو جو حکم عدولی سرکار عالی کریں سزا دی جائے
اور نیز یہ کہ اگر سرکاری امور میں حضور پر نور سے
کوئی شخص کمترین کی شکایت کرے تو بغیر کمترین سے
تحقیق فرمائے اس کی طرف توجہ مبذول نہ فرمائی جائے۔

نواب صاحب مرحوم نے اس درخواست کا ترجمہ رزیڈنٹ صاحب بہادر کے پاس بھی بھیجا اور ساتھ یہ بھی تحریر فرمایا کہ شاید یہ درخواست بظاہر فضول معلوم ہو کیونکہ اس میں جن اختیارات کے حصول کی میں نے کوشش کی ہے وہ عموماً میرے عہدہ کے ساتھ خود بخود ملحق ہیں۔ لیکن موجودہ حالات کا یہی اقتضاء تھا جو میں نے کیا۔ اس قسم کی دستاویز جس پر حضور پر نور کے دستخط موجود ہیں آیندہ بہت سی عام غلط فہمیوں کے حملوں کو روکے گی۔

درحقیقت اگر بہ نگاہ تعمق دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ نواب صاحب نے اس درخواست کو پیش کر کے بہت بڑی دانائی کا ثبوت دیا، اگر آپ ایسا نہ کرتے تو اس زمانہ میں جب کہ ریاست میں بد اندیشیوں اور خوشامد پسندیوں کا زور تھا، غیر ممکن تھا کہ کسی اصلاح کا خیال کیا جا سکتا، آپ کی یہ درخواست فی الحقیقت ایک پیش خیمہ تھی ان تمام مدارج ارتقاء کا جو بعد میں ظہور پذیر ہوئے۔

نواب مرحوم کی وزارت سی سالہ کی تقسیم

یہاں مجھے مناسب معلوم ہوتا ہے نواب صاحب مرحوم کی سی سالہ وزارت کے تین حصّے الگ الگ کردئے جائیں جیسا کہ مصنف بستان آصفیہ نے کیا ہے۔ تاکہ آسانی کے ساتھ ان کی اصلاحات پر تبصرہ کیا جا سکے۔

پہلا عشرہ۔ جسے ہم عہد تاریک یعنی (کہہ سکتے ہیں) یہ ابتدائی وزارت سے شروع ہوکر جدید ضلع بندی تک ختم ہوتا ہے اسے ہم عہد تاریک اس لئے کہتے ہیں کہ یہ زمانہ نواب صاحب کے ابتدائی اصلاحات کا تھا اور اس میں مرحوم کو سخت مقابلے کرنے پڑے اور انتہائی مصیبتیں اور دقتیں برداشت کرنی پڑیں۔

دوسرا عشرہ = جسے دور درمیانی یا (کہا جاتا ہے آغاز ضلع بندی سے شروع ہوکر ۱۲۸۴ف تک منتہی ہوتا ہے۔ اس عشرہ میں مختلف اصلاحات کا تجربہ کیا گیا اور اُن کے نتائج کی جانچ پڑتال کی گئی، اور یہ ثابت کیا گیا کہ ہر زمانہ میں نئی نئی اصلاحات کا عمل میں آتے رہنا ملک کی

ترقی کی دلیل ہے اور سکون تنزل کا مرادف ہے۔
تیسرا عشرہ۔ یعنی دور آخر جو سنہ ۱۲۸۵ف سے شروع ہوا
(   ) اس دور میں ہر قسم کی
اصلاحات سے ملک کو آراستہ کیا گیا، اور ان
اصلاحات کا اثر سوشیل لائف پر بھی پڑا ملک و
دولت میں ترقی ہونے لگی، پبلک کے خیالات
میں وسعت پیدا ہوگئی اور سب کے دماغوں
میں ترقی کا سودا سما گیا، یہ دور نواب صاحب
مرحوم کی وفات پر ختم ہوا۔

ہر سہ عشرات کی تفصیل

عشرہ اول میں خزانہ و محاسبی کا کام بالکل قدیم اصول پر
قائم رہا، تمام اضلاع کے حساب و کتاب محاسبی میں آکر تنقیح
ہونے کے بعد مدار المہام بہادر کی دستخط سے مزین ہو کر دفاتر
مال و دیوانی میں بھیجدئے جاتے تھے جہاں وہ بطور سند کے
محفوظ رہتے تھے اور ان کی مصدقہ نقلیں صدر محاسبی میں
بھیجدی جاتی تھیں۔
اس وقت تک ابواب میں وہ تفصیل نہ تھی جو مالی موازنہ
اور تشخیص کے واسطے کارآمد ہو سکتی غرضکہ اس زمانہ میں انتظامی

کی طرح حسابی معاملات میں بھی کسی طرح کا انقلاب نہیں ہوا
اور نہ کوئی جدید اصلاح کی گئی البتہ صرف قدیم طرز کی تنقیح
و تالیف ہوتی رہی اور بدستور تمام حساب مع اسناد دفاتر مال
و دیوانی کو روانہ ہوتے رہے۔

دوسرے عشرہ میں اضلاع کا کام کامل امانی ہو گیا تعلقدار
مقرر ہوئے ہر ضلع میں خزانہ اور بلدہ میں دفتر تنقیح قائم کیا گیا۔
ماہواری حساب تختوں پر آنے لگے دفتر تنقیح تعمیرات جداگانہ
قائم ہوا اور وہ پھر تنقیح عام میں ملا دیا گیا، اگرچہ یہ سب
کچھ ہوا مگر حسابوں کے ابواب وہی قائم رہے اور کل دارومدار
سالانہ حساب پر تھا۔

تیسرا عشرہ اس وقت سے شروع ہوا جبکہ رزیڈنسی سے
ریاست کے تختہ جات مالی کا تقاضہ شروع ہوا اور برار
کی سالانہ رپورٹوں میں اس کے بھیجنے کے پیہم وعدے نظر
آنے لگے مگر اس وقت دفتر محاسبی میں طرز قدیم کے سوا خیالات
تازہ کی ہوا تک نہیں لگی تھی، اور نہ یہ معلوم تھا کہ ان حسابات
کی غایت کیا ہے اور وہ کس طرح حاصل ہو سکتے ہیں، آمد و خرچ
کی مفید تقسیم کونسی ہے، جمع و خرچ کے دونوں پہلوؤں پر ابواب
صدر و ذیل کس غایت سے کس تفصیل سے قائم کئے جائیں، مد
سرکاری کیا چیز ہے؟ اس میں اور دست گرداں اور ارسال میں

کونسے امور مابہ الامتیاز ہیں ؟ اور ان کے جدا جدا دکھانیکی کیا ضرورت ہے اور ان کا اختلاط تصفیہ حساب میں کیا الجھاؤ پیدا کرتا ہے ان حسابوں کو طرز جدید و آسانی پر لانے اور مالی مصالح کے قابل بنانے کے واسطے نواب مکرم الدولہ صدر المہام مال کی نگرانی شروع ہوگئی، مولوی مہدی علی خاں محسن الملک بحیثیت مجوز کارروائی کی گئی منجملہ اور کاموں کے ادھر مامور و مصروف ہوئے ان کی تحریک سے اس کی مجموعی حالت پر غور اور اس کی اصلاح کے واسطے صدر المہام موصوف کی میر مجلسی میں ایک مجلس قائم ہوئی جس کے ارکان حسب ذیل ہیں

(۱) مولوی مہدی علی خاں محسن الملک معتمد مال

(۲) نواب قدیر جنگ صدر مہتمم دفتر تنقیح

(۳) رام کشن راؤ محاسب سرکار عالی

دو تین سال پیہم اس مجلس کی تحقیقات اور کارروائیاں جاری رہیں زیادہ تر اس مجلس کا وقت ترتیب حساب اور ملک کی حالت دریافت کرنے میں صرف ہوا تاہم کوئی ایسی رپورٹ پیش نہ ہوسکی جس سے اس وقت کی موجودہ حالت کا حسن و قبح اور آیندہ کے واسطے مفید تجاویز اور ان تجویزوں کے وجوہ معلوم ہوتے اس کا سبب سوائے اس کے اور کچھ نہیں معلوم

ہوتا کہ حالات قدیم کی دریافت و اصلاح کے واسطے مجلس کو پورا وقت اور موقعہ نہ ملا۔ (تاریخ بستان آصفیہ)

بعض بری رسموں کی اصلاح

نواب مختار الملک مرحوم نے خدمت وزارت کا جائزہ لیتے ہی سب سے پہلے تعہد داری کے طریقہ کو مسدود کیا اور تشخیص مالگذاری کے لئے متدین اشخاص کا تقرر فرمایا۔

۲ ربیع الاول ۱۲۷۳ھ کو مرحوم نے بردہ فروشی کی قبیح رسم کو قانوناً ممنوع قرار دیا، اس کے ساتھ حکم دیا کہ ہر شخص بڑا ہو یا چھوٹا جرم کے ارتکاب پر سزایاب ہوگا۔

ان احکام کے علاوہ ڈاڑھی کا منڈانا ممنوع قرار پایا رذیل عورتوں کو سبز رنگ کی چولی، انگیا، ساڑی اور چوڑیاں پہننے کی ممانعت کی گئی۔ یہ بھی حکم دیا کہ زرد بانات کا جوتا کوئی استعمال نہ کرے نیز بلدہ میں دائرہ میر مومن کے سوا کہیں جنازے نہ دفنائے جائیں۔

خزانہ عامرہ اور نواب مختار الملک

ارسطو جاہ اور میر عالم کے زمانے میں حیدرآباد میں کئی خزانے موجود تھے۔ لیکن بعد میں ۱۲۶۹ف تک کسی خزانہ کا وجود نہیں

ثابت ہوتا۔ اس کی وجہ بجز اس کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس عہد میں ریاست کی مالی حالت خراب تھی۔

کرنل جان لو صاحب نے اپنی رپورٹ ۱۸۴۸ء مطابق ۱۲۵۸ف میں جو کیفیت لکھی ہے اس سے اس وقت کی مالی حالت پر کافی روشنی پڑتی ہے وہ لکھتے ہیں کہ اس ریاست کی موجودہ حالت اس زمانہ سے بھی ابتر ہے جس زمانہ میں ۱۸۰۰ء کا عہد نامہ مرتب ہوا کیونکہ اس وقت حضور پر نور کے پاس کئی خانگی خزانے موجود تھے اور قرضہ بھی کم تھا اب حضور کے خزائن بالکل خالی ہیں اور قرضہ کی تعداد ساڑھے تین کروڑ ہے جس کا بہت بڑا حصہ فوج اور دیگر ملازمین کی تنخواہوں کا ہے جو نقد روپیوں کی عدم موجودگی کے باعث ادا نہیں ہو سکیں۔ نیز ایک بڑا حصہ اس قرضہ کا ساہوکاروں کے متعلق ہے جس کا سود نہایت زیادہ اور روز بروز بڑھ رہا ہے ان سب کے علاوہ بیالیس لاکھ روپیے برٹش گورنمنٹ کو بھی دینے ہیں۔ ریاست کی مالگذاری کی آمدنی تقریباً ڈیڑھ کروڑ ہے۔ اور عام متفرق قرضوں کی تعداد معلوم نہیں۔ اس وقت ریاست نہایت خطرناک حالت میں گھری ہوئی ہے۔

الغرض اس زمانہ میں ریاست کی آمدنی نہایت محدود اور قلیل ہو کر رہ گئی تھی۔ کاغذات سرکار میں آمدنی کے جو

اندراجات ہوتے تھے وہ برائے نام اور نہایت حیرت انگیز تھے۔ عموماً مستاجر اور تعلقدار آمد و خرچ کے دونوں حساب ساتھ ہی داخل کرکے رسید حاصل کرلیتے تھے۔ اس کے علاوہ ریاست کا عام دستور یہ ہوگیا تھا کہ ہر مصرف کے لئے نقد روپیہ موجود نہ ہونے کی وجہ سے تعلقہ یا ضلع کا حوالہ دیا جاتا تھا کہ اس کی آمدنی سے کام چلایا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس حالت میں ریاست کن مصیبتوں اور الجھنوں میں مبتلا تھی۔

جس زمانہ میں نواب مرحوم وزارت سے سرفراز ہوئے اس وقت بھی فوراً اصلاح ناممکن تھی کیونکہ ملک کی اکثر اراضی و جاگیرات عربوں اور پٹھانوں کی کفالت میں تھیں اور تعلقات و اضلاع تعلقہ داروں کی سپردگی میں تھے جو حسب منشاء نفع اٹھاتے اور ریاست کو تباہ کرتے رہتے تھے۔

۱۸۷۰ء کی نیشنل رپورٹ مرتبہ سرکار کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب نواب سالار جنگ وزیر ہوئے تو انھوں نے ریاست کی مالی حالت نہایت خراب پائی۔ اضلاع برار، رائچور، دوآبہ، نلدرگ اور تعلقات بھوم والپور وغیرہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے قبضہ میں جاچکے تھے، گو اس تفویض سے اتنا ضرور ہوا کہ ریاست کنٹیجنٹ کی تنخواہوں سے رہائی پاگئی

مگر اس تجویز سے، اضلاع تفویض شدہ کے جاگیرداروں کے تقاضے شروع ہو گئے جن کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

ان تمام حالات کی موجودگی میں اگر کوئی دوسرا شخص ہوتا تو ہمت ہار دیتا لیکن نواب صاحب مرحوم نے نہایت صبر و استقلال کے ساتھ کام کیا اور سب سے پہلے دو دفتر قائم کئے ایک تو دفتر خزانہ عامرہ دوسرے صدر محاسبی دفتر خزانہ عامرہ کے قیام کا منشأ یہ تھا کہ ممالک محروسہ کا تمام آمد و خرچ ایک ہی جگہ ہو اور صدر محاسبی قائم کرنے کا مقصد یہ تھا کہ تمام حسابوں کی جانچ وہیں ہوا کرے لیکن چونکہ اس وقت تمام ملک ٹھیکہ اور مستاجری میں پھنسا ہوا تھا اس لئے ان دفتروں کا صرف اتنا کام تھا کہ مستاجروں سے روپیہ لیں اور حساب جمع و خرچ مرتب کریں۔ اس کے ساتھ نواب نے یہ بھی کیا کہ قرض خواہوں سے ان کے مقبوضہ تعلقات کا حساب طلب کرکے جسکی تعداد تین کروڑ انا سی لاکھ سے زیادہ تھی بتدریج ان کے قرضوں کو ادا کر دیا اور مکفولہ تعلقات کو اپنے قبضہ میں لے لیا چنانچہ عمر بن عود نامی عرب جمعدار سے، پہلے ساڑھے آٹھ لاکھ روپیہ کے محاصلی اضلاع واپس لئے گئے اور نو لاکھ کے اضلاع جو اس کے پاس باقی رہ گئے تھے اس میں سے بھی پانچ لاکھ کے تعلقات بعد میں لے کر باقی چار لاکھ کا علاقہ

فوج کی تنخواہ ادا کرنے کے لئے چھوڑ دے۔ اوائل ۱۲۶۳ف تک مرحوم نے تقریباً چالیس لاکھ کی اراضی چھوڑالی اور اسی سال کے اواخر تک عبداللہ بن علی نامی جمعدار سے کئی اضلاع مسترد کر لئے۔ یہ سب کچھ ہوا لیکن ابھی اتنی آمدنی نہ تھی کہ سلطنت کے تمام مصارف کی تکمیل بغیر قرض کے ہوسکے اس لئے مجبوراً قرض لے کر کچھ دنوں آپ کام چلاتے رہے۔ ظاہر ہے کہ ان تمام کاموں کی انجام دہی میں آپ کو کن مصائب کا سامنا کرنا پڑا ہوگا۔

سالار جنگ مرحوم نے قرضوں کا سلسلہ بہت جلد منقطع کر دیا اور اسی ۱۲۶۳ھ کے آخر میں قیام خزانہ کے ساتھ ہی تخمیناً تیس۳۰ ہزار نقد جمع کر دیا اور ۱۲۸۰ف میں اس کی تعداد ایک کروڑ بیس لاکھ تک پہونچا دی۔

عدالت کی اصلاح

نواب مرحوم کی وزارت سے پہلے عدالت کی جو حالت تھی اس کا مختصر سا بیان پہلے آچکا ہے اور جو مظالم حکام کے ہاتھوں غریب رعایا پر ہوتے تھے اس کا معمولی سا خاکہ کھینچا جا چکا ہے نواب مرحوم نے زمام وزارت کو ہاتھ میں لینے کے بعد بایں خیال کہ جوڈیشل اور عاملانہ حکومت کا اختیار ایک ہی

شخص کو حاصل رہنا خلاف مصلحت ہے اور رعایا کی فلاح کے لئے محکمہ جات کا قیام نہایت ضروری ہے اس لئے آپ نے عدالتوں کو آزادانہ اقتدارات دے کر اپنے آپ کو عدالتی اختیارات سے بالکل علٰحدہ کرلیا۔

عوام کی ضروریات کے تحت آپ نے ایک نئی عدالت قائم کی جس کا نام عدالت بادشاہی رکھا گیا، اس عدالت پر مولوی احمد علی خاں صاحب کا تقرر عمل میں آیا۔ صاحب موصوف کو کل اختیارات دیوانی و فوجداری کے عطا ہوئے مگر قتل و حبس دوام کے مقدمات میں مدارالمہام کی منظوری ضروری تھی

اس وقت عام طور پر لوگ یہ سمجھتے تھے کہ عدالتی احکام کی تعمیل کچھ ضروری نہیں ہے عدالت کا کام صرف فیصلوں کا صادر کرنا ہے ان کا ماننا یا نہ ماننا فریقین کے اختیار میں ہے اس لئے اعلان کیا گیا کہ عدالتوں کے احکام کی تعمیل نہایت ضروری ہے۔ بردہ فروشی کی ممانعت میں بھی قانون جاری کیا گیا اور بتایا گیا کہ یہ فعل شرعاً بھی نہایت مذموم وقابل ترک ہے ڈکیتی اور رہزنی کے استیصال کے لئے مخصوص قوانین بنائے گئے

نواب صاحب ممدوح نے اس اصول کی غلطی کو بھی محسوس فرمایا کہ پولیس کے افسروں کو مجسٹریٹ کے اختیارات دئے جائیں۔ اس لئے آپ نے کوتوالی کے اختیارات گھٹا دئے

اور یہ حکم نافذ فرمایا کہ کوتوال بلا منظوری عدالت کسی قیدی کو چار دن سے زیادہ حوالات میں نہیں رکھ سکتا۔

سنہ ۱۲۱۷ف میں ایک عدالت اور قائم ہوئی جس پر ایک ہندو جج کا تقرر عمل میں آیا سنہ ۱۲۲۰ف میں حکام عدالت کے اختیارات محدود کئے گئے کیونکہ ضوابط کی عدم موجودگی بدنظمیاں پیدا کر رہی تھی اور عہدیداران حوالات جس مجسٹریٹ کے پاس چاہتے تھے مجرموں کو پیش کر دیتے تھے۔

آپ نے دیوانی و فوجداری کے اقتدارات کو متعین فرمایا اور مقدمات کو عدالتوں پر حسب ذیل اصول پر تقسیم کیا۔

(۱) مقدمات نکاح و طلاق و حضانت و تقسیم ترکہ اہل اسلام مقدمات خون - - - - - - - -	دار القضاء
(۲) مقدمات منازعت وطن داری گوسائیاں و نزاع جوشیاں وغیرہ - - - - - - - -	محکمۂ گوبند راؤ
(۳) علاوہ عدالت دار القضاء، گوبند راؤ دیگر ہر قسم کے مقدمات دیوانی تا ایک ہزار روپیہ	عدالت چینی خان
(۴) مقدمات زائد از یک ہزار و جملہ مقدمات سرکار عظمت مدار - - - - - - - -	عدالت دیوانی بزرگ
(۵) جملہ مقدمات زدوکوب	کوتوالی
(۶) جملہ مقدمات فوجداری بلدہ باستثنا، مقدمات	

اندرون حد سماعت کوتوالی و دار القضاء | عدالت بادشاہی

جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا ہے اس زمانہ میں لوگ عدالتوں کے احکام کی تعمیل ضروری نہ سمجھتے تھے، نواب صاحب نے خیال فرمایا کہ اگر احکام کی تعمیل نہ ہو تو عدالتوں کا قیام بے سود ہے لہذا محکمۂ اجرا کا قیام عمل میں آیا۔ اسی سال کاغذ ممہور کے لئے بھی ایک دستور العمل جاری کیا گیا۔

سنہ ۱۲۷۲ف میں نواب صاحب نے عدالت کی مزید نگرانی کے لئے ایک معتمد کے تقرر کا ارادہ فرمایا اور مولوی مؤید الدین خاں کو شمالی ہند سے بلا کر اس عہدہ پر متعین کیا یہ ایک نہایت محنتی اور قابل آدمی تھے۔ انہوں نے عدالتوں کی بہت کچھ اصلاح کی سنہ ۱۲۷۹ف میں عدالتوں کی مزید نگرانی کے لئے نواب بشیر الدولہ بہادر کو صدر المہام عدالت مقرر کیا گیا اور ان کی معتمدی پر مولوی مودودی صاحب ۶ رجب سنہ ۱۲۸۶ھ کو مقرر ہوئے نیز اضلاع میں تعلقداران اوّل و دوم و سوم کے پاس صیغہ عدالت و صیغہ مال کے عملے جدا جدا کر دئے گئے سنہ ۱۲۸۲ف میں نواب صاحب نے حکام ضلع و بلدہ کے فیصلوں کی اپیل کے لئے مجلس مرافعہ قائم فرمائی۔ غالباً اس بیان سے مکمل طور پر واضح ہو گیا ہو گا کہ موجودہ حیدر آباد کی عدالتی تشکیل صرف نواب صاحب مرحوم کی مرہون منت ہے۔

"مختار الملک اور کوتوالی"

مرحوم کی وزارت سے پیشتر حیدر آباد میں کوئی باقاعدہ پولیس نہ تھی ۱۲۸۲ف میں جب پہلی ضلع بندی عمل میں آئی تو اس وقت ایک باقاعدہ کوتوالی کی جمعیت مقرر کرکے عہدہ داران مال کے تحت دے دیگئی لیکن اس سے کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا۔ ۲۶ رجب ۱۲۸۶ھ کو نواب صاحب نے صدرالمہام کوتوالی کا تقرر فرمایا اور نواب شمشیر جنگ بہادر اس عہدہ کے لئے منتخب ہوئے۔ قدیر جنگ بہادر معتمد اور لچھا ریڈی مددگار معتمد بنائے گئے اور ہر صوبہ کے لئے صدر مہتمم کا تقرر عمل میں آیا۔

"محکمۂ ٹپہ اور مختار الملک"

راجۂ راجایان چندو لال کے زمانہ میں ڈاک خانوں کی کچھ صلاح ہوئی، لیکن ہر محکمہ کے انتظامات کی طرح ڈاک کا کام بھی ٹھیکہ پر دے دیا گیا اور اس کام کے لئے موہن لال جوگل کشور دہلوی منتخب ہوئے جنھیں سمت ،، محاصلی کی جاگیر مرحمت ہوئی اس جاگیر کا نام گرم پلی ہے جو شمس آباد کے قریب واقع ہے موہن لال صاحب دہلی میں رہتے تھے اور ان کی جانب سے

جوالا پرشاد حیدرآباد میں امور متعلقہ کی دیکھ بھال کرتے تھے ان کے بعد کچھ دنوں رچو لال اور پھر کالکا پرشاد کارپرداز رہے ضلع بندی کے بعد ڈاک میں قدرے سہولت پیدا ہوگئی۔

تاگرم پلی موہن لال کی ذاتی جاگیر تھی ڈاک کے مصارف کے لئے تعلقہ دھاموری واقع برار محاصلی ۱۰۰۰ سالانہ مقرر ہوا اور اس کے ماسوا تعلقداران سررشتہ سے سرکاری خطوط کی روانگی کے لئے تنخواہیں مقرر ہوئیں اور تعہداروں نے بطور خود خانگی خطوط کی روانگی کا بندوبست کیا اس سے جو کچھ آمدنی ہوتی تھی وہ تعہداروں کا حق تھا۔

اس زمانہ میں چار تولہ وزنی خط کا محصول ۴ر اور ۹۰ تولہ وزنی پارسل کا عسکا/ رجسٹری اور بیرنگ کے طریقے جاری نہ ہوئے تھے خطوط پر ڈاک خانہ کی مہر کردی جاتی تھی جس پر "محصول گرفتہ شد" لکھا ہوتا تھا۔

۱۲۶۹ھ میں تفویض برار عمل میں آئی اور تعلقہ دھاموری ڈاک سے علیحدہ ہوگیا اس لئے بالا پرشاد کو ۱۰۰۰ سالانہ پر لفافہ جات کے اجراء کی بابتہ ٹھیکہ دیا گیا جس سے ڈاک کے انتظام میں نقائص پیدا ہوگئے ۱۲۷۹ ف میں نواب صاحب مرحوم نے ڈاک کے انتظام کے لئے نواب شہسوار جنگ کو صدر مہتمم ٹپہ خانہ بنایا اور دفتر نظامت ٹپہ خانہ جات قائم ہوا۔ ٹپہ کے تمام انتظامات

سرکار نے اپنے ذمہ لئے اور از سر نو قواعد وضوابط مرتب ہوئے۔

"تعلیمات اور مختار الملکؒ"

نواب مختار الملک سے پہلے حیدر آباد میں کوئی محکمہ تعلیم نہ تھا قدیم زمانہ میں فارسی و عربی کے مدارس پائے جاتے تھے جن میں پرانے طریقے پر تعلیم ہوتی تھی ۱۸۳۴ء مطابق ۱۲۵۰ھ یہاں سب سے پہلے چرچ آف انگلینڈ کے ایک پادری نے انگریزی اسکول کی بنیاد ڈالی۔ اس کے بعد ایک رومن کیتھولک اسکول کھولا گیا۔ نواب منیر الملک بہادر کے زمانے میں نواب فخر الدین خاں شمس الامراء نے غریب بچوں کی تعلیم کے واسطے اپنی ڈیوڑھی میں ایک مدرسہ قائم کیا، اور انگریزی تعلیم کے لئے چادر گھاٹ میں گرامر اسکول کھولا گیا،

محکمہ تعلیم کے قائم ہونے سے پہلے نواب مختار الملک مرحوم نے سرکاری طور پر مدرسہ دارالعلوم قائم کیا اور سنہ ۱۲۷۶ھ میں باقاعدہ صیغہ تعلیمات کا قیام عمل میں آیا جس سے تعلیم میں بڑی ترقی ہوئی، سنہ ۱۲۶۹ف میں ہر ضلع میں دو دو سرکاری مدرسے کھولے گئے، سنہ ۱۲۸۰ف میں تعلیمات کا صیغہ محکمہ مالگذاری کے تحت کیا گیا، مدرسین کے لئے شرط تھی کہ وہ دارالعلوم کے سند یافتہ ہوں مہتمم تعلیمات کی خدمت پر سب سے پہلے حافظ

صدر الاسلام کا تقرر ہوا اور ۳ شہریور ۱۲۸۰ف کو علاقہ سرکار عالی کی مہتمی مدارس پر ڈبلیو ایچ ویلکنسن مقرر ہوئے اس کے بعد ورنا کیولر اسکول چادر گھاٹ اور نارمل اسکول کا قیام عمل میں آیا۔ ۱۲۸۳ف سے طلبہ کا امتحان تحریری مقرر ہوا اور ۱۲۸۴ف میں مدارس اضلاع کی تنقیح کے لئے سرکار عالی نے انسپکٹر مقرر کئے ۱۲۸۵ف میں فیس کے احکام نافذ کئے گئے۔

”محکمۂ مالگذاری کی اصلاح“

بزمانہ سابق ممالک محروسہ سرکار عالی میں مالگذاری کا انتظام مستاجروں کے ذریعہ سے ہوتا تھا۔ جو تعلقدار کہلاتے یہ لوگ تنخواہ نہیں پاتے تھے اور ان کے قبضہ داری کی کوئی مدت بھی معین نہ تھی البتہ بقایا کی صورت میں اکثر موقوف کردئے جاتے تھے۔

مستاجری کی دو صورتیں تھیں (۱) تعہد سربستہ بالمقطعہ (۲) امانی تعہد کا قول کل پرگنہ کی جمع پر تعہد دار کو دیا جاتا تھا اور امانی کی صورت یہ تھی کہ جس مستاجر کو کوئی پرگنہ تفویض ہوتا وہ رقم مالگذاری بعنوان تحصیل خام سرکار میں داخل کرتا تھا۔ فوجداری کا انتظام بھی اسی کے سپرد ہوتا تھا۔ یہ لوگ رعایا پر طرح طرح کے مظالم روا رکھتے تھے جن کی تفصیل اس جگہ بیکار ہے

فی الحقیقت مستاجروں کے ذریعہ سے مالگذاری کی تحصیل جب کہ عدالتی اختیارات انھیں کو حاصل تھے سخت مضر تھی۔ اراضی اور پیداوار کی تشخیص میں صرف اندازہ سے کام لیا جاتا تھا۔

۱۸۲۱ء میں راجہ چندو لال نے رزیڈنٹ بہادر کے مشورہ سے یہ تجویز کی کہ ممالک سرکار عالی کا بندوبست میعادی اور موضع واری کیا جائے، چنانچہ اس پر عمل کرنے کے لئے یہ طے پایا کہ اضلاع شمالی میں برار کی طرح انگریزی افسروں کے ذریعہ رزیڈنٹ بہادر کی نگرانی میں کام ہو اور اضلاع جنوبی کا انتظام راجہ چندو لال کی سپردگی میں رہے۔

اس بندوبست میں سرکاری رقم کی ادائی کا تعہد بطور قول بندی دیا گیا۔ ہر ہر موضع کی جمع مقرر ہوئی اور وصول مالگذاری کا انتظام پٹیل پٹواریوں کے ذریعہ کیا گیا، بعض مقامات پر زمینداروں کا دخل بڑھا ہوا تھا لہٰذا وہاں پٹیل پٹواری کا تقرر عمل میں نہ آسکا لیکن زمینداروں کو تنبیہ کی گئی کہ وہ بیجا طور پر رعایا کو نہ ستائیں۔

اس بندوبست سے اتنا فائدہ تو ضرور ہوا کہ مواضعات کی جمع مشخص ہوگئی اور تمام اراضی کا پٹہ دے دیا گیا، لیکن چونکہ کوئی مدت مقرر نہوئی تھی اس لئے سالانہ رقم مالگذاری میں کمی بیشی واقع ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ تمام ملک سرکار عالی عربوں

جمعداروں، پٹھانوں اور ساہوکاروں کے چنگل میں پھنسا ہوا تھا۔ ان لوگوں سے سرکار حسب ضرورت روپیہ لے لیتی تھی، جس کا سالانہ حساب یہ لوگ داخل کرتے تھے، اس حساب میں عموماً جعل سازی ہوتی تھی۔

نواب مختار الملک بہادر نے اپنے زمانہ میں آہستہ آہستہ ملک کو ان لوگوں کے چنگل سے رہائی دلائی ۱۲۷۱ف (۱۸۶۱ء) میں ضلع بندی کی بنیاد ڈالی گئی اور ۱۲۷۲ف میں تمام ملک کو (۱۵) اسمات اور (۱۷) ضلعوں پر تقسیم کیا گیا، ہر ضلع میں تعلقداران کا تقرر ہوا اور ہر سمت کے لئے ایک صدر تعلقدار مقرر کیا گیا جمعبندی کے اصول بنائے گئے۔ نظمائے جمعبندی بذات خود دورہ کرکے فصل کی جانچ پڑتال اور جمع کی تشخیص کرتے تھے لیکن اس طریقہ سے بھی کماحقہٗ سہولتیں مہیا نہ ہوسکیں۔ اس لئے ۱۲۹۲ھ میں باہتمام نواب محسن الملک ناظم بندوبست اور مسٹر فریدون جی مہتمم بندوبست ضلع اورنگ آباد میں اراضی کی پیمایش اور پرت بندی کرکے رعیت واری انتظام ہوا اور پھر تمام اضلاع کی پیمایش ہوئی جس سے رعایا اور سرکار کو مکمل سہولتیں حاصل ہوگئیں۔ یہ سب باتیں بظاہر سرسری معلوم ہوتی ہیں لیکن غور کرنے اور موازنہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب صاحب نے ملک کو کیا سے کیا کردیا؟

مالگذاری کی اصلاح سے سرکار کو کیا فائدہ ہوا اور انتظام سے پہلے اسے کیا کیا نقصانات برداشت کرنے پڑتے تھے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ وہ اضلاع جو ۱۸۵۳ء میں سرکار انگریزی کو سپرد کردیے گئے تھے جب ان کا حساب شائع ہوا تو معلوم ہوا کہ سرکار عالی کے تعلقداران نصف یا ربع آمدنی خود کھا جاتے تھے چنانچہ ضلع میکپور ملک برار کی آمدنی قبل تفویض ایک لاکھ پندرہ ہزار تعلقدار کے حساب میں درج تھی حالانکہ اصل آمدنی ایک لاکھ نوے ہزار تھی۔

اس کے علاوہ تعلقداران ضلع اکثر مزروعہ زمینوں کو غیر مزروعہ لکھتے تھے چنانچہ شمالی برار کی مزروعہ زمین کی مقدار چار لاکھ پچیس ہزار بیگہ سے زاید نکلی۔ تفویض برار کے بعد کرنل ہڈ ویلر جو ضلع نلدرک کے افسر مقرر ہوئے تھے اس بارے میں تحریر فرماتے ہیں۔

> گورنمنٹ نظام کے تعلقہ داروں کو بے انتہا فائدہ تھا یہ لوگ بڑا حصہ مالگذاری کا مقامی سکہ کے حساب سے وصول کرتے تھے جو بحساب بازار کمپنی کے روپیہ سے کچھ کم تھا لیکن بجائے اس کے کہ ہنڈاون کا فائدہ وہ گورنمنٹ کو دیں حیدرآباد بذریعہ ہنڈوی کے بھیجتے تھے جو وہاں شہر کے کم قیمت روپیے سے

بدلی جاتی تھی۔ (مرقعہ عبرت)

امور مندرجہ بالا سے نواب صاحب کی اصلاحات و بیدار مغزی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

سر رشتہ انعام اور نواب مختار الملک

نواب صاحب مرحوم سے پہلے محکمہ انعام نہ تھا۔ آپ کو سب سے پہلے اس کا خیال ہوا کہ معاش داروں کے مقبوضات کا جواز و عدم جواز معلوم ہونا چاہیئے چنانچہ ۱۲۷۵ف سے عطیات سلطانی کی بابتہ دریافت شروع ہوئی لیکن اس کا تعلق محکمہ مال سے رہا۔ جب کام بہت زیادہ ہو گیا تو الگ الگ ایک محکمہ کی ضرورت لاحق ہوئی جو ۱۲۸۵ف میں قائم ہوا اور اس کے مہتمم مسٹر چارلس ہوئے۔

یہ محکمہ ۱۲۸۵ف سے ۱۲۹۱ف تک قائم رہا۔ ہر ضلع میں ایک مختصر عملہ انعام کا بھی تھا۔ تعلقداران اضلاع معاشوں کی دریافت کرتے اور ان کے تختے اپنی رائے کے ساتھ بہ توسط صدر تعلقداران مہتمم انعام کے پاس بھیجتے تھے اور وہاں تنقیح و اظہار رائے کے بعد بہ توسط صدر المہام مال سرکار میں پیش ہو کر محکمہ مہتممی سے جاری ہوتے تھے۔

اس وقت اس محکمہ کے حکام کو کسی قسم کے اقتدارات حاصل

نہ تھے چھوٹی چھوٹی معاشوں کی بحالی بھی منظوری سرکار کے بعد ہوسکتی تھی۔ اس لئے مدار المہام کے کاموں میں اضافہ ہو گیا اور رعایا کو بھی دیر ہونے کی وجہ سے تکلیف ہونے لگی۔ اس لئے نواب صاحب موصوف نے ۱۲۹۹ھ میں ایک مجلس دریافت انعامات قائم فرمائی جس میں مسٹر چارلس رکن اول مولوی سید زین العابدین رکن دوم اور سید اسد اللہ عرف میر نواب رکن سوم مقرر ہوئے، اس مجلس کو مناسب اختیارات بھی دیئے گئے۔

۵۷ء کا غدر اور

نواب مختار الملک بہادر

۱۸۵۷ء کا غدر ہندوستان میں مشہور ہے، اس کی تفصیل سے ہمیں غرض نہیں، لیکن اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ اس غدر کو نہایت اہمیت حاصل ہے اس کا ظہور بعض غلط فہمیوں کی بنا پر انگریزی حکومت کے قائم ہو جانے کے بعد ہوا، اس شورش کو اتنا فروغ ہوا کہ ممالک متحدہ آگرہ واودھ کے علاوہ تمام بنگال و بہار اور ممالک متوسط متاثر ہو گئے رعایا بے قابو ہو گئی اور انگریزوں کے لئے سخت دقتیں پیدا ہو گئیں سلطنت مغلیہ کے مٹ جانے کے بعد تمام ملک کی

نظریں نظام کی طرف پڑ رہی تھیں اگر اس وقت حیدرآباد بے وفائی پر آمادہ ہو جاتا تو تمام دکن میں انگریزوں کے خلاف بغاوت پھیل جاتی لیکن اس سخت موقعہ پر نظام دکن اور ان کے وزیر نواب مختار الملک بہادر نہایت ثابت قدمی کے ساتھ انگریزی گورنمنٹ کی وفاداری پر قائم رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قیام امن میں بے حد سہولت پیدا ہو گئی۔

"اگر نظام گئے تو سب کچھ ہاتھ سے نکل جائے گا"

ہم نے اوپر جو کچھ بیان کیا اس کی تصدیق اس جملے سے ہوتی ہے جسے غدر کے زمانہ میں گورنر بمبئی نے اپنے اس خط میں لکھا تھا جو کرنل ڈیوڈسن (رزیڈنٹ حیدرآباد) کے نام تھا وہ ہذا

اگر نظام گئے تو سب کچھ ہاتھ سے نکل جائیگا

یہ بالکل ظاہر ہے کہ حیدرآباد کی رعایا بغاوت سے بہت کچھ متاثر ہو چکی تھی اور وہ نظام پر دباؤ ڈال رہی تھی کہ وہ انگریزوں کے خلاف ہو جائیں دربار میں ایسے کوتاہ اندیش امرا کی بھی کمی نہ تھی جو طبیعت میں غداری رکھتے تھے لیکن نواب مختار الملک بہادر کی صرف ایک ہستی تھی جو نہایت مضبوطی کے ساتھ انگریزی گورنمنٹ کی خیر خواہ رہی اور سختی کے ساتھ شورش کو دبانے کی کوشش کی۔

باغیوں نے دہلی پر قبضہ کرلیا

دوران غدر میں نواب ناصر الدولہ بہادر نے انتقال فرمایا آپ نے اپنے صاحبزادہ نواب افضل الدولہ بہادر سے وصیت فرمائی تھی کہ وہ گورنمنٹ انگریزی کی وفاداری پر قائم رہیں۔ نواب افضل الدولہ بہادر کی مسند نشینی کے جلسے کی شرکت کے بعد جب رزیڈنٹ بہادر کوٹھی واپس ہوئے تو انھیں نواب گورنر جنرل بہادر کی طرف سے اطلاع ملی کہ باغیوں نے دہلی پر قبضہ کرلیا۔ دہلی کے دارالسلطنت ہونے کی وجہ سے اس زمانہ میں ہر شخص اس کی فتح کو تمام ہندوستان کی فتح کے مماثل تصور کرتا تھا۔

رزیڈنٹ بہادر نے نواب مختار الملک بہادر مرحوم کو بلاکر اسی وقت اس سے مطلع کیا۔ اور ایسی بدظنی و بد دلی کے عالم میں جبکہ تمام رعایا یہ سمجھ رہی تھی کہ دہلی کا قبضہ سارے ہندوستان پر قابض ہو جانے کی دلیل ہے۔ صرف نواب صاحب معزہی کا حوصلہ تھا کہ شورش کو ابھرنے نہ دیا۔

نواب صاحب کے انتظامات

آپ نے شورش کے زمانہ میں عربوں کے ذریعہ سے بلدہ کا

انتظام قائم رکھا اور شہر کے خاص خاص دروازوں پر ان کے پہرے قائم کردئے اور حکم دیا کہ جو لوگ گورنمنٹ انگریزی کی مخالفت کرتے ہوئے پائے جائیں انھیں فوراً گولی سے ہلاک کردیا جائے نیز غدر انگیز وعظ کہنے والے واعظین گرفتار کرلئے جائیں۔

ان سخت احکام کی بناء پر چند غدّار جو اورنگ آباد سے آکر حیدرآباد میں چھپے ہوئے تھے اور پوشیدہ طور پر غدر کی تلقین کرتے تھے گرفتار کرکے رزیڈنٹ بہادر کے پاس بھیجدئے گئے، ان تمام انتظامات کا یہ نتیجہ نکلا کہ تمام جنوبی ہندوستان صرف نواب صاحب معز کی واحد کوشش کی وجہ سے غدر کی آفتوں سے محفوظ رہا۔

"دھمکی"

اورنگ آباد میں غداروں کی گرفتاری ان کے دوستوں پر نہایت شاق گذری اور انھوں نے چند اشخاص کو حضور پر نور کے پاس اس لئے بھیجا کہ وہ ان لوگوں کی رہائی کے متعلق بات چیت کریں، اس کے علاوہ حضور پر نور و نواب مختار الملک بہادر کو یہ دھمکی بھی دی گئی کہ اگر گورنمنٹ انگریزی سے جنگ نہوئی تو حیدرآباد کے لوگ دونوں کو مار ڈالیں گے۔

حالت غدر میں اس قسم کی دھمکیاں ایسی نہ تھیں کہ انھیں

ہر شخص سرسری اور فضول سمجھتا۔ یہ صرف حضور پر نور اور نواب صاحب ممدوح ہی کا حوصلہ اور عالی ہمتی تھی کہ ایسی باتوں کو خاطر میں نہیں لائے۔

"ایک انگریز مصنف کی رائے"

"اگر نظام بگڑ بیٹھتے تو؟"

ایک انگریز مصنف کا قول ہے کہ

اگر نظام بگڑ بیٹھتے تو یہ کہنا مشکل ہے کہ کیا نتائج رونما ہوتے ناگپور میں عین موقع پر جس سازش کا انکشاف ہوا تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آس پاس کی ریاستیں بغاوت کے لئے کس قدر تیار بیٹھی تھیں یہ بھی معلوم ہے کہ ٹرپلکین کے مسلمان دست درازی کے لئے صرف حیدر آباد کی طرف سے اشارے کے منتظر بیٹھے تھے، مجھے جب کسی فوجی آدمی سے گفتگو کرنے کا اتفاق ہوا اس نے یہی کہا کہ اگر حیدر آباد اٹھ کھڑا ہوتا تو ہم کرنول، ناگپور، بلاری، کڈاپہ، بنگلور، مدراس، ترچناپلی اور دوسرے شہروں میں بغاوت سے نہ بچ سکتے اور یہ بھی مشکل تھا کہ بمبئی جو مدراس ہی کی طرح بے چین تھا اس مرض متعدی کے اثر سے بچ رہتا۔ (حکومت انگلشیہ اور دولت آصفیہ

ابو الاعلیٰ مودودی

ایسی صورت میں نظام اور ان کے وزیر صرف خاموش نہیں
رہے بلکہ اپنی تمام قوت انگریزوں کی اعانت میں صرف کی ایسے
وقت میں ایسی وفاداری قابل ستایش ہے

"رزیڈنسی پر حملہ"

باوجودیکہ نواب مختار الملک نے اتنے انتظامات کئے لیکن
پھر بھی پانچ سو روہیلوں نے مولوی علاؤ الدین خاں اور طرہ باز خان کو
اپنا سالار بنا کر رزیڈنسی پر حملہ کر ہی دیا۔ نواب صاحب مرحوم کو
ان مفسدوں کے ارادے سے آگاہی حاصل ہو چکی تھی اس لئے
اُنھوں نے کرنل ڈیوڈسن رزیڈنٹ کو بروقت مطلع فرما دیا
جس سے مقاومت میں سہولت پیدا ہو گئی۔
باغی ۱۷ر جولائی کو شام کے وقت رزیڈنسی کی طرف بڑھے شہر کے
کچھ لوگ بھی ان کے ہمراہ ہو گئے اور ہزاروں کا مجمع ہو گیا۔ یہ
لوگ چاہتے تھے کہ رزیڈنسی کی دیوار توڑ کر اندر داخل ہو جائیں
مگر ممکن نہوا کیونکہ انگریزی توپ خانہ بڑی قوت سے گولہ باری کر رہا
تھا۔ آخر کار مجبوراً سب کو واپس ہونا پڑا۔
نواب صاحب ممدوح ان تمام واقعات میں گورنمنٹ انگریزی
کی وفاداری پر ثابت قدم رہے اگرچہ حالات ایسے ناموافق تھے کہ
ذراسی غلطی میں جان کے جانے کا اندیشہ تھا۔

"رزیڈنٹ کا اعتراف"

گورنمنٹ انگریزی نے نواب مختار الملک بہادر کی خدمات کا اعتراف کیا اور رزیڈنٹ بہادر نے ان کے ذکر میں حسب ذیل فقرات لکھے۔

جو اعانت کہ بلا تامل وزیر دکن نے گورنمنٹ انگریزی کو دی اس کی تعریف کسی اندازہ کے ساتھ حیطۂ امکان سے خارج ہے سابقاً کسی وزیر دکن نے ایسی محنت کے ساتھ آپ کو گورنمنٹ انگریزی کا دوست ثابت نہیں کیا تھا۔ انھوں نے بغیر کسی پوشیدہ مصلحت کے اپنی جان پر کھیل کر مدد دینے کا قصد کر لیا تھا اس وجہ سے تمام مسلمانان دکن ان سے ناراض ہو گئے تھے مگر کسی دھمکی کسی خوف، کسی خوشامد نے ان کو اس سچی وفاداری کی راہ سے نہیں ہٹایا جس کو وہ اختیار کر چکے تھے کئی مرتبہ ان کے قتل کی تدبیر کی گئی اور یقیناً ان کو اس کی خبر تھی لیکن نہ اس خوف نے اور نہ ان خبروں نے جن سے ممالک مغربی و شمالی میں ہماری شکست ظاہر ہوتی تھی، نواب کو ایک منٹ کے لئے ڈرایا جس خواہش یا ضرورت کو میں ان سے بیان کرتا تھا

اس کو اسی استقلال اور مضبوطی کے ساتھ وہ قبول کرتے تھے اور گورنمنٹ نظام کے جتنے محاصل پر ان کا قبضہ تھا وہ سب میرے اختیار میں دے دئے تھے۔ (مرقعۂ عبرت)

نواب صاحب پر حملہ

فروری ۱۸۵۹ء میں ایک دن جبکہ رزیڈنٹ بہادر اور نواب صاحب حضور پرنور کے دربار سے واپس آرہے تھے جہانگیر خاں نامی ایک بدمعاش نے ۷، ۸ فٹ کے فاصلہ سے دونوں پر قرابین کا فیر کیا اس وقت دونوں صاحب ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دئے ہوئے تھے، نشانہ خطا ہوا اور جہانگیر خاں پکڑا گیا۔

ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ اِس لئے ہو رہا تھا کہ وہ گورنمنٹ انگریزی کے خیر خواہ تھے۔

گورنمنٹ انگریزی کے تحائف

۵ ؍ اکٹوبر ۱۸۶۱ء کو سرکار انگریزی نے ایک لاکھ روپیے کے قیمتی تحفے حضور کے لئے بھیجے، پچاس لاکھ کا قرض معاف کردیا اور اضلاع رائچور، نلدرک اور دھرا سیوں معہ شوراپور کے مسترد کردیا۔

اسی سلسلہ میں تیس ہزار کے قیمتی تحفے نواب صاحب ممدوح کو بھی
عنایت ہوئے۔

آپ کی علحدگی کے لئے سازش

۱۸۶۰ء میں نواب صاحب نے ان اضلاع کا انتظام
اپنے ذمہ لیا جن کو گورنمنٹ ہند نے واپس کر دئے تھے اور
وہاں کے باشندے ایک عرصہ سے انگریزی انتظام کے عادی
ہو چکے تھے اس لئے آپ نے ویسا ہی نظم و نسق قائم رکھا لیکن
اس کے منظور کرنے میں حضور نواب افضل الدولہ بہادر کو تامل ہوا
اور چند دشمنوں نے آپس میں سازش کرکے آپ کو معزول کرانا
چاہا لیکن کامیاب نہو سکے کیونکہ رزیڈنٹ بہادر نے مخالفت
فرمائی اور تحقیق کے بعد اصل حالات کا انکشاف ہوا۔

"قحط میں آپ کا انتظام"

۱۸۶۲ء اور ۱۸۶۶ء کے زمانہ قحط میں نواب صاحب ممدوح نے
ایسے انتظامات رعایا کی جان بچانے کے لئے فرمائے کہ بغیر خاص
ہمدردی و دلسوزی کے ان کا عالم وجود میں آنا غیر ممکن تھا۔
پہلے قحط میں بیرون سے غلہ منگوا کر سرکاری طور پر کم نرخ
سے فروخت کرنے کا حکم دیا اور دوسرے میں محتاج خانے قائم کئے

جس سے قحط زدہ لوگوں کی پرورش ہوتی رہی، اور وہ ہلاکت سے محفوظ رہے۔

نواب صاحب کا استعفا

ایک ایسا وزیر جو اپنے حسن انتظام اور تدبیر و رائے کے لحاظ سے ملک کی حالت میں تبدیلی پیدا کردے اور اس کا رسوخ بادشاہ کے مزاج میں انتہا سے زیادہ ہو جائے اس کے مقابلہ میں دشمنوں کا پیدا ہو جانا ضروری ہے اس کلیہ سے نواب صاحب ممدوح مستثنیٰ نہ ہو سکتے تھے۔ چنانچہ حضور نظام کا مزاج آپ کی طرف سے برہم کر دیا گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ مجبوراً مستعفی ہوگئے۔ اس واقعہ کو صاحب مرقعہ عبرت نے پوری تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اُسے ہم لفظ بہ لفظ یہاں نقل کرتے ہیں۔

۱۸۶۷ء کے شروع میں نواب صاحب مرحوم نے بمجبوری استعفا دیا اس کی وجہ یہ تھی کہ حضور پر نور نے ان کے ایک کھلے ہوئے دشمن کو اپنے اور نواب صاحب کے درمیان وکیل مقرر کیا۔ حیدرآباد کا قدیم سے یہ دستور تھا کہ حضور پر نور کی طرف سے ایک وکیل رہتا تھا جو روزانہ حضور کے پیغامات وزیر کے پاس لاتا اور ان کے جواب لے جاتا تھا۔ وزیر کو ہفتہ میں صرف ایک بار حضور میں حاضر ہونا چاہئے تھا۔

بجز ان درباروں کے جن میں طلبی ہوتی تھی تہنیت الدولہ کئی سال سے وکالت کا کام کرتے تھے جب ان کا انتقال ہوگیا تو ایک دشمن لشکر جنگ نامی اس عہدہ پر مامور ہوئے۔ یہ مشہور دشمن نواب صاحب کے تھے۔

وہ اسباب جو حضور کی ناراضی کا باعث ہوئے وہ یہ تھے

کچھ دن پیشتر سر جارج پول کو گورنمنٹ آف انڈیا کا یہ حکم ہوا تھا کہ خاص قسم کے مجرم سپرد کئے جانے کی نسبت گورنمنٹ نظام سے بطور معاہدہ کے ایک گفتگو کی جائے، اس گفتگو کا ہنوز نتیجہ ظاہر ہونے پایا تھا کہ حضور پر نور نے نواب مرحوم سے اپنی ناراضی ظاہر کی۔ رزیڈنٹ کا یہ قول تھا کہ حضور کو یہ باور دلایا گیا تھا کہ اس معاہدہ کی گفتگو شروع کرنے کی بنا نواب صاحب نے ڈالی ہے اور انھیں پر اس کا الزام ہے اس وجہ سے اپنی ناراضی ظاہر کرکے لشکر جنگ کو اپنا وکیل مقرر کیا۔

لشکر جنگ ایک بدچلن شخص تھے اور دو مرتبہ ان کی بدچلنی گورنمنٹ پر بخوبی ظاہر ہو چکی تھی۔ ایک تو جب انہوں نے ان اضلاع کو ویران کر دیا جو بموجب صلح نامہ ۱۸۶۰ء کے گورنمنٹ کو ملنے والے تھے دوسرے جب انھوں نے خاص حضور پر نور کے ایک موضع دھاراسیو میں ظلم و تعدی کی

کارروائی کی۔ اس دوسرے جرم میں وہ موقوف کردیے گئے اور یہ موقع نواب صاحب مرحوم کے سپرد ہوگیا۔ ان کے بچانے کے لئے نواب صاحب موصوف سے بہت کچھ سفارش کی گئی، لیکن نواب مرحوم نے کسی طرح قبول نہیں کیا۔ اسی وجہ سے نواب مرحوم کے ساتھ، لشکر جنگ کو ایک ذاتی عداوت ہوگئی تھی۔

یہ بات ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جب حضور کے وکیل کے یہ چال چلن ہوں تو مختار الملک جیسے مدبر ایسے شخص کے ساتھ انتظامی امور میں کیونکر تعلق رکھ سکتے تھے لہذا نواب صاحب مرحوم نے حضور پرنور سے استعفا پیش کرنے کی اجازت چاہی چند روز کے بعد حکم ہوا کہ تحریری استعفا پیش کریں چنانچہ ایسا ہی ہوا اور تحریری استعفا پیش ہوا صاحب رزیڈنٹ اچھی طرح اس امر کو جانتے تھے کہ ایسے وقت میں نواب صاحب کا ملکی انتظام سے جدا ہونا ملک کے لئے آفت کا سامنا ہے نظر برایں حضور میں عرض کرا بھیجا کہ اس بارے میں حاضر ہوکر کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ سر جارج پول نے پہلے اپنی خواہش نواب صاحب کے بحال رہنے میں صاف صاف اس لئے نہ ظاہر کی تھی کہ شاید حضور پرنور خود ترحم فرمائیں لیکن جب قضیہ برعکس پایا اور یہ خیال کیا کہ بغیر دخل دئے یہ گلجھڑی نہ سلجھیگی تو انھوں نے

ایک خط حضور کو لکھا جس میں خاص ملاقات کی اجازت طلبی تھی اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ صاحب رزیڈنٹ نے خود تحریر کیا ہے جس کی ذیل میں نقل کی جاتی ہے۔

یہ خط بہ سبب اس کے کہ بسنت کی تعطیل ہو گئی اور بسنت کے دنوں میں حضور کسی تکلیف دہی کو پسند نہیں کرتے تھے دسویں فروری کو پیش کیا گیا۔ دوسرے دن حضور نے سر سالار جنگ کو اسی مضمون کی اطلاع دی کہ میرا ارادہ ہے کہ امیر کبیر کو قبل دربار رزیڈنٹ کے پاس بھیجوں کیونکہ رزیڈنٹ کا استقبال وہی کریں گے ان الفاظ سے گویا حضور نے سر سالار جنگ کو اس بات کا ایما فرمایا کہ دربار میں نہ حاضر ہوں الغرض امیر کبیر میرے پاس آئے اور بجز اس کے اور کچھ نہ پیش کیا کہ حضور پر نور دونوں سلطنتوں میں دوستی قائم رہنے کی خواہش کرتے ہیں اس کے جواب میں میں نے کہا کہ یہی خواہش سرکار انگریزی کی بھی ہے اور امید ہے کہ حضور پر نور بہت جلد مجھے حاضر ہونے کی اجازت مرحمت فرمائیں گے۔

حضور نے یہاں تک ٹالا کہ آخر الامر مجھے پھر یاد دہانی کی ضرورت ہوئی تو اس وقت ۸ ارفروری ملاقات کے لئے مقرر ہوئی

میں نے ملٹری سکرٹری کرنل برگ اور کنٹونمنٹ مجسٹریٹ سکندر آباد کپتان ٹوپڈی کو اپنے ہمراہ لیا اور حسب معمول حضور میں گیا یہی دونوں افسر کرنل ڈیوڈسن کے بھی ہمراہ تھے جب وہ ایسی ہی مطلب کے واسطے حضور پرنور کی ملاقات کو گئے تھے ۔ وہاں کا مجمع اسی سکوت اور انتظام کی حالت میں تھا جیسا کہ میں نے ہمیشہ دیکھا میرا استقبال نواب صاحب نے کہ بغیر حضور کی طلب کے دربار میں آئے تھے اور امیر کبیر نے کیا اور یہی دونوں مجھے ایک چھوٹے کمرے میں لے گئے وہاں سے تو یہ دونوں واپس آئے اور میں ملاقات کے کمرے میں گیا۔ اس کمرے میں جوں ہی میں اپنا جوتا اتار کر چڑھا ووں ہی حضور آگئے اور بیچ میں مجھسے گلے ملے وہ ایک مسند پر بیٹھے اور میں ایک صاف کپڑے پر جو اس کے متصل بچھا ہوا تھا ان کے پہلو میں بیٹھ گیا اور میرے قریب وہ دونوں ساتھ کے افسر حاضرین دربار مقابل کے دوسرے کمرے میں چلے گئے جہاں باتوں کی آواز نہ جا سکتی تھی میں نے اپنی کہانی یوں شروع کی کہ میں چار سال سے حتی الامکان اس امر کی کوشش کرتا رہا ہوں کہ حضور کے ملک میں روز افزوں بہتری و خوشحالی کی ترقی ہو اور دونوں سلطنتوں میں دوستی قائم رہے ۔ اس وقت صرف دو کاموں کے لئے حاضر ہوا ہوں اول تو یہ کہ تمغۂ اسٹار آف انڈیا کی عطا کا جو

معمولی طریقہ ہے اس کے خلاف ملکۂ معظمہ نے اجازت دی ہے
کہ نواب سر سالار جنگ بہادر کو اور مجھے اپنے دست مبارک سے
بھی تمغہ جات عنایت فرمائیں۔

یہ سنتے ہی حضور نے دیوان سے اپنی ناراضی ظاہر فرمادی
میں نے عرض کرنا شروع کیا کہ نواب صاحب نے حضور کے ملک کا
کیسا عمدہ انتظام کیا ہے اور دونوں سلطنتوں میں دوستی قائم
رکھنے کی کیسی کوشش کی ہے اور کس قدر سر سالار جنگ حضور پرنور
سے ڈرتے ہیں غرض کہ اسی طرح کے اور دس پانچ جملے عرض کئے
مگر ہر جملہ پر حضور اپنی ناراضی ظاہر کرتے رہے اور میرے پاس
آکر کہا کہ سر سالار جنگ بہت مغرور ہے یہاں تک کہ اوس کو
اپنی کارگذاری پر گھمنڈ ہے کہ جب کوئی خواہش اس کی پوری ہونے
نہیں پاتی تو استعفا دینے کی دھمکی دیتا ہے نوکر کو ہمیشہ اپنے
آقا کی فرماں برداری چاہیئے یہ کہہ کر حضور کسی قدر خوش مزاج ہوئے
اور اثناء تقریر میں کبھی کبھی اپنے قول پر ہنستے جاتے تھے آخر میں
فرمایا کہ آپ واقف نہیں ہیں چند سال سے میں نے اپنے معاملات
کا کیسا عمدہ انتظام کیا ہے یہ ہر بادشاہ کا فرض ہے کہ ملک کے
کاروبار میں ہمیشہ عمدگی سوچتا رہے اور اسی طرح چند کلمات
فرمائے میں نے کہا کہ نواب صاحب کے استعفاء دینے کا باعث
یہ ہے کہ حضور نے لشکر جنگ کو اپنے اور نواب صاحب کے درمیان

وکیل مقرر فرمایا ہے لشکر جنگ اس کارستر گ و بزرگ کے لائق نہیں ہے علاوہ ازیں وہ ایک مشہور دشمن نواب صاحب کا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس کے توسط سے کام اچھی طرح نہیں چل سکتا حضور نے فرمایا کہ لشکر جنگ میرا فرمان بردار ہے یہ کہہ کر پھر اسی استعفا کا ذکر شروع کیا اور کہا کہ شہر کی عدالتیں نہایت خراب حالت میں ہیں میں نے عرض کیا کہ سالار جنگ کے پہلے تو کوئی بھی عدالت نہ تھی اور ہر چیز کی تکمیل دفعتاً ممکن نہیں۔ جہاں تک بن بڑا نواب صاحب نے اچھے آدمی منتخب کیئے اور ضوابط و قوانین بھی منضبط کیئے اور یہ استعفا جو دیا ہے تو میں یقین دلاتا ہوں کی اگر حضور پورا اعتبار ان پر رکھیں گے تو وہ کبھی آیندہ استعفا پیش نہ کریں گے، پھر میں نے عطائے تمغہ کا ذکر کیا۔ حضور نے فرمایا کہ میں آپ کو بخوشی تمغہ دوں گا اور باوجود ناراضی اپنے وزیر کو بھی تمغہ دینے میں کچھ عذر نہ کروں گا۔ اس کے بعد فرمایا کہ پندرہ روز کے عرصہ میں آپ سے پھر ملنا چاہتا ہوں اس عرصہ میں مجھے جو کچھ کہنا ہے میں لکھ کر بھیجدوں گا اور امیر کبیر کو بھی بھیجوں گا آپ ان سے ضرور ملئے میں نے کہا کہ پندرہ روز کا عرصہ بہت ہے دو تین دن کے عرصہ میں پھر ملاقات کا ہونا زیادہ مفید ہوگا۔ اس پر فرمایا کہ میری طبیعت اچھی نہیں ہے، یہ کہہ کر قریب تھا کہ

عطر و پان طلب فرمائیں کہ پھر مجھ سے پوچھا "کیا حقیقت میں آپ کی بدلی ہو گئی اور آپ کونسل جاتے ہیں" میں نے کہا ہاں یہ خبر صحیح ہے فرمایا یہاں صاحبان رزیڈنٹ عرصہ تک نہیں رہتے، آپ کا جانا اس وقت ایک افسوس کا مقام ہے کیوں جاتے ہیں آپ یہاں کے تمام معاملات سے واقف ہو چکے ہیں اور دس بارہ برس میں اور بھی واقف ہو جاتے۔ اس عرصے میں عطر و پان آ گیا اور میں رخصت ہوا۔

یہ ایک مختصر بیس منٹ کی ملاقات کا ذکر تھا اس قلیل عرصے میں حضور پر نور کے متواتر قطع کلام کرنے نے عاجز کر دیا کہ ایک ہی مطلب دو دو تین تین مرتبہ کہنا اور سننا پڑتا تھا۔ جب چار روز اس ملاقات کو گذر گئے اور حضور پر نور میرے مطلب سے کچھ خبر نہ ہوئے تو میں نے نواب صاحب کو لکھا کہ آپ وہ ذکر نواب صاحب کو یاد دلائیے جو دربار میں ہوا تھا۔ چار روز گذر چکے ایسے امور عظیمہ کے طے کرنے میں جس قدر دیر ہوتی ہے حضور کے ملک کی بہبودی کو مضر ہے اور گورنمنٹ انگریزی جو قدیم دوست اس دولت کی ہے تہ دل سے ہر وقت یہاں بہتری مد نظر رکھتی ہے۔ تیئسویں تاریخ حضور نے امیر کبیر کو میرے پاس بھیجا، میں نے یہ امراء ان کے مکنون خاطر کر دیا کہ گورنمنٹ انگریزی سر سالار جنگ کی

صرف اس وجہ سے طرفدار ہے کہ انھوں نے حضور کے ملک کا
نہایت عمدہ انتظام کیا اور اس وجہ سے دونوں سلطنتوں میں یہ
دوستی قائم رکھی، اگر اس ملک کا انتظام اچھا نہ ہوتا تو اس دوستی
کا قائم رہنا ناممکن تھا، یہ بھی میں نے امیر کبیر سے کہا کہ خوب
یاد رکھئے اس وقت کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو اس لیاقت
اور ایمانداری سے انتظام کر سکے جیسا کہ نواب صاحب سے
ظہور میں آیا، اور اگر کوئی شخص ایسا ہو بھی تو اس کا ابھی تجربہ
نہیں، سر سالار جنگ بہادر نے بارہ سال کام کرنے سے
اپنی لیاقت بخوبی ثابت کر دی، آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ
اس سے پیشتر کس قدر بد انتظامی تھی اور انھیں بد انتظامیوں
کی وجہ سے سرکار انگریزی کو کنٹنجنٹ قائم کرنی پڑی اور اس کے
خرچ کے لئے ملک برار لینا لازم ہوا، اگر عمدہ انتظام ہوتا تو
یہ امور کبھی واقع نہ ہوتے، اب کسی طرح اُس پرانے طریقہ پر
انتظام کا خراب حالت میں رہنا ممکن نہیں، جوں جوں سرحدی
ملکوں میں ترقی ہوتی جائے گی یہاں بھی ترقی کا قائم رکھنا لازم
ہوگا اور ان اصلاحوں اور ترقیوں کے لئے جو قواعد قرار پائیں
حضور کو ہرگز ان سے عذر کرنا نہ چاہیئے، امیر کبیر نے اس کے
جواب میں کہا کہ حضور پر نور، سالار جنگ کے انتظاموں سے
کچھ ناراض نہیں ہیں بلکہ ان کا تکبّر ناپسند ہے اور اس کو برداشت

نہیں کرسکتے، میں تو نہیں جانتا، مگر حضور فرماتے ہیں کہ سالار جنگ ہمیشہ استعفا دینے کی دھمکی دیا کرتے ہیں، اس بات کو حضور جانتے ہوں گے مگر ظاہر ایہی وجہ حضور کی ناراضی کی ہے۔ میں نے کہا کہ ہاں شاید سالار جنگ نے عجلت کی ہو، مگر حضور نے اپنے اور سالار جنگ کے درمیان لشکر جنگ کو وکیل کرنے میں بڑی غلطی کی۔ اب بحث یہ ہے کہ اس امر کی صفائی کیونکر ہو، سر سالار جنگ کا اپنے عہدے سے جدا ہونا کسی طرح گورنمنٹ انگریزی نہیں پسند کرے گی کیونکہ ان کے علحدہ ہونے سے یقینی خرابیاں پیدا ہوں گی جس سے ان دونوں سلطنتوں کی باہمی اتفاق میں فرق پڑ جائے گا۔

پہلے بدانتظامیوں سے جو خرابیاں ہوئیں وہ صرف حضور ہی کی سلطنت میں اثر بخش رہیں ہمارا کچھ نقصان نہ ہوا، لیکن اب معاملہ کی صورت اور ہی کچھ ہے اس وقت میں ہم یہاں کی بدنظمیوں سے چشم پوشی نہیں کرسکتے کیونکہ ان خرابیوں کے اثر کی توسیع ہماری سلطنت تک لامحالہ پہونچے گی۔ اور ہم اس بات پر مجبور ہوں گے کہ مضبوطی کے ساتھ ان خرابیوں کو دفع کریں، حضور پرنور کے لئے بہتر ہے کہ وہ سالار جنگ کے ہاتھ میں عنان حکومت رکھیں کہ وہ بہت اچھی طرح ملک کا

انتظام کر سکتے ہیں ان کے موقوف کرنے سے جو بدنظمیاں ظہور پذیر ہوں گی، حضور کو ان کے نتائج اٹھانے پڑیں گے۔ میری گفتگو کا امیر کبیر کے دل پر بڑا اثر ہوا ان کے سوالات سے ظاہر ہوا کہ ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ گورنمنٹ انگریزی گورنمنٹ نظام کی بدنظمیوں کو بہ نسبت زمانہ سابق کے بہت سخت دیکھے گی، پھر میں نے کہا کہ سر سالار جنگ حضور پرنور سے بہت ڈرتے ہیں، اور ہمیشہ ان کے خوش کرنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ یہ کہہ کر میں نے اپنا خط انھیں سنایا، اور کہا کہ میں نے یہ خط حضور کو لکھا تھا لیکن نواب صاحب نے صرف حضور کی ناراضی کے خوف سے مجھ کو اس خط کے بھیجنے سے باز رکھا الغرض بڑی گفتگو کے بعد امیر کبیر نے کہا کہ جو کچھ آپ کر سکتے تھے وہ آپ نے کیا اور جو کچھ میں کر سکتا تھا میں نے کیا، اب سالار جنگ کو دیکھنے دیجئے کہ وہ کیا کر سکتے ہیں۔ انھوں نے اپنے قصور کی معافی ہندوستانی طریقہ سے کیوں نہ چاہی۔ میں نے جواب دیا کہ اگر سالار جنگ کو ان اصلاحوں اور تدبیروں کی اختیاری کارروائی پر مجبور نہ کیا جائے، جن کو وہ ملک کی بہتری سمجھتے ہیں تو یقیناً ان کو عفو قصور چاہنے میں کچھ عذر نہ ہوگا۔ امیر کبیر نے کہا کہ بیشک نیئے قواعد و ضوابط ملک کے لئے ضروری ہیں اور حضور پرنور بھی

کبھی ان سے مزاحمت نہیں کرتے، اور ان کو ہر طرح کا اختیار ہے، لیکن بروقت عذر خواہی حضور کے سامنے سالار جنگ کو اس قسم کا کوئی عذر پیش نہ کرنا چاہیئے شاید حضور پرنور پھر آشفتہ ہو جائیں۔ صاف صاف صرف معذرت کرنی چاہیئے میں نے کہا کہ بہتر ہے! میں اسی بات کی سالار جنگؒ کو صلاح دوں گا، مگر ابھی بہت سے کام مثل عطائے تمغہ اسٹار آف انڈیا وغیرہ کے باقی ہیں، لہذا آپ حضور سے عرض کیجئے کہ اس بکھیڑے کو بہت جلد طے کر دیں۔ جب امیر کبیر رخصت ہوئے تو میں نے فوراً نواب صاحب کو امیر کبیر کی تجاویز جو بہ نسبت عذر خواہی کے تھیں لکھ بھیجیں ان کے خطوط سے یہ بات ٹپکتی تھی کہ سر سالار جنگ نے بھی یہی خیال کیا تھا کہ عذر خواہی اور معافی چاہنے کی ضرورت ہے اور حضور پرنور کے بیان سے جس کی تصدیق پھر امیر کبیر کی گفتگو سے ہوئی یہ معلوم ہوتا تھا کہ حضور کو نواب صاحب کے استعفا دینے سے دلی ملال ہو گیا ہے اور جب تک وہ ملال دفع نہ ہو صفائی کی کچھ امید نہیں ہے لہذا میں نے بھی نواب صاحب کو یہی صلاح دی کہ عفو قصور چاہیں۔ چنانچہ نواب صاحب نے درخواست طلب عفو وکیل کی معرفت حضور میں بھیجی، حضور پرنور نے اس درخواست کو سن کر اور چند شرائط بتائے اور

فرمایا کہ جب تک یہ امور مندرج نہوں گے میرا غصہ رفع نہوگا
وکیل اس درخواست کو نواب صاحب کے پاس لائے، نواب
صاحب نے کوئی چارہ بجز اس کے نہ دیکھا کہ وہ شرائط بھی مندرج
کردئے جائیں۔

جب یہ درخواست جس میں وہ شرائط لکھے جا چکے تھے
حضور کے ملاحظہ میں پھر گذری تو فرمایا کہ میں چار پانچ روز میں
اس پر کوئی حکم دوں گا' چونکہ مجھ پر یہ عرصہ بہت شاق تھا' لہذا
میں نے فوراً ایک طویل العبارت خط حضور کے نام لکھا جس میں
تمام گذشتہ حالات کا از سر نو ذکر کیا اور سخت عبارت میں
حضور کی کارروائیوں کے خراب نتائج ظاہر کئے۔ لیکن قبل اس کے
کہ یہ خط ترجمہ ہو کر حضور میں بھیجا جائے۔ مختار الملک مرحوم
نے امیر کبیر مرحوم سے کچھ ایسی خط وکتابت کی جس سے
مقصود اصلی حاصل ہو گیا۔ یعنی امیر کبیر مرحوم نے حضور کو یہ
صلاح دی کہ اب دو چار روز کا تامل مناسب نہیں۔ کیونکہ جو
شرائط درخواست معافی میں حضور نے بڑھائے گو وہ بالکل
خلاف ان شرائط کے تھے جو میں نے رزیڈنٹ سے کہے تھے
تاہم مختار الملک نے ان کو منظور کیا لہذا اب کوئی وجہ حکم میں
تامل کی معلوم نہیں ہوتی۔

اس کے بعد ہی پھر وکیل نواب صاحب کے پاس بھیجے گئے

اور حکم ہوا کہ ایک اور شرط بڑھائی جائے کہ نواب صاحب آیندہ ہمیشہ خیرخواہ رہیں گے، اس فقرہ نے نواب صاحب کو سخت صدمہ پہونچایا۔ مگر یہ شرط بھی بڑھادی گئی آخرالامر وہ تاریخ دربار میں طلب ہوئے اور نذر قبول ہوئی اور جواب سلام دیا گیا،

اسی کے بعد حضور پرنور نے نواب صاحب اور رزیڈنٹ کو تمغہ جات اسٹار آف انڈیا عطا فرمائے اور دو ہفتہ کے بعد عیدالفطر کے دربار میں حضور پرنور نے نواب صاحب کی بڑی عزت افزائی فرمائی اور پانچ پارچہ کا خلعت قیمتی پچاس ہزار روپیہ کا دربار عام میں مرحمت فرمایا اور اس وقت گویا ثابت ہوگیا کہ حضور پرنور کے دل میں نواب صاحب کی طرف سے کوئی ملال نہیں ہے اور اسی طرح نواب صاحب کی دل شکستگی بھی جاتی رہی۔ (مرقعہ عبرت)

اوپر کے مضمون سے یہ بات بخوبی ظاہر ہوگئی کہ اعلحضرت کی ناراضی کتنی بڑھی ہوی تھی اور کن مشکلوں سے وہ رفع ہوئی اگر خدانخواستہ آپ اپنی خدمت سے علیحدہ ہو جاتے تو تمام ملک کو سخت مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا۔

نواب مختارالملک کے قتل کی سازش

۲۷ جنوری ۱۸۶۸ء کو عیدالفطر کے دن ایک سنگدل نے

نواب مختار الملک بہادر پر دو گولیاں سرکیں جن سے آپ کے دو ہمراہی زخمی ہوئے، مگر خدا نے آپ کو بچا لیا مجرم اسی وقت گرفتار ہوا اور ۱۲ تاریخ کو اسے قتل کر دیا گیا۔

آپ کی رحم دلی

نواب صاحب مرحوم اس قدر رحم دل اور برد بار تھے، کہ ایسے کشتنی مجرم کو بھی عفو کے دامن میں چھپا لینا چاہتے تھے، اور آپ کی خواہش تھی کہ اسے صرف قید کی سزا دی جائے مگر حضور پر نور نے اس سفارش کو منظور نہ کیا کیونکہ ایسے شخص کو چھوڑ دینا ملک کے لئے خطرناک اور قرین انصاف نہ تھا۔

سر سالار جنگ اور مطالبہ برار

ہم گزشتہ اوراق میں یہ ظاہر کر چکے ہیں کہ ملک برار نواب سر سالار جنگ بہادر کے چچا سراج الملک بہادر کے عہد وزارت میں انگریزوں کے قبضہ میں گیا۔ اس کے علاوہ ہم نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ برار کے نکل جانے کا مورد الزام محض سراج الملک بہادر کو قرار دینا قرین انصاف نہیں ہے۔ تاہم سالار جنگ مرحوم اپنے مرحوم چچا کے سر سے اس فرضی الزام کو دور کرنا چاہتے تھے، نہ صرف یہ بلکہ ملک و مالک کی انتہائی

خیرخواہی کے لحاظ سے بھی جو آپ کا طرۂ امتیاز تھا، آپ کی دلی خواہش تھی کہ برار حضور نظام کے قبضہ میں دوبارہ آجائے۔
اسی بنا پر ۱۸۵۳ء سے ۱۸۶۱ء تک نواب صاحب موصوف نے چھ مرتبہ واپسی برار کے متعلق گورنمنٹ انگریزی کو متوجہ کیا، اگرچہ ان درخواستوں کا حسب منشا نتیجہ نہ نکل سکا لیکن تاہم مفوضہ علاقے کا کچھ حصہ واپس ہو گیا۔

نصف علاقہ میسور اور اس کے ساتھ برار کی طلبی

۱۷۹۵ء میں جنگ میسور کے موقعہ پر انگریزوں نے نظام سے معاہدہ کیا تھا کہ علاقہ مفتوحہ کا نصف حصہ انھیں دیا جائے گا لیکن جنگ کے اختتام کے بعد چونکہ ٹیپو سلطان کا سارا علاقہ اس کے مالک اصلی کے خاندان میں منتقل ہو گیا اور اس خاندان کے ایک فرد کو وہاں کا مہاراجہ تسلیم کر لیا گیا، اس لئے تقسیم کا معاملہ معرض التوا میں آگیا۔
۱۸۳۴ء میں مہاراجہ میسور کی فضول خرچی کی وجہ سے مجبور ہو کر گورنمنٹ انگریزی نے ریاست کو اپنے انتظام میں لے لیا۔ ۱۸۶۴ء میں مہاراجہ نے ایک لڑکے کو متبنیٰ بنانے کی اجازت طلب کی تو گورنمنٹ کو اس میں بھی توقف ہوا، گورنمنٹ کے اس طرز سے

نواب سالار جنگ بہادر کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ شاید میسور کو انگریزی حکومت میں شامل کر لینے کا ارادہ ہے اس لئے انھوں نے ۱۸۶۶ء میں رزیڈنٹ حیدر آباد کے نام ایک خط لکھا جس میں حسب ذیل مطالبات درج تھے۔

(۱) ۱۸۶۰ء میں جو معاہدہ نظام گورنمنٹ و انگریزی گورنمنٹ میں ہوا تھا اس کا منشاء یہ تھا کہ برار کی آمدنی کی بچت واپس کی جائے گی لیکن باوجود چھ سال گذر جانے کے ابھی تک ایک پیسہ بھی واپس نہیں ہوا سرکار نظام کو اس وقت روپیے کی سخت ضرورت ہے اس لئے اس کی خواہش ہے کہ کنٹنجنٹ کی تنخواہوں کا دوسرا اطمینان بخش انتظام کر کے اپنے اضلاع واپس لے لے۔

(۲) گورنمنٹ انگریزی کے طرز عمل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ریاست میسور پر قابض ہونے کا ارادہ رکھتی ہے اس لئے یہ ضروری ہے کہ سرکار نظام کو اس ریاست کا نصف حصہ ضرور ملے کیونکہ ۱۷۹۹ء کے معاہدہ میں یہی طے ہوا تھا۔ اگر برٹش گورنمنٹ نے میسور کی نئی ریاست قائم نہ کی ہوتی تو سرکار نظام کو معاہدہ کی رو سے یہ حصہ ضرور ملتا اور اب جب کہ وہ ریاست ٹوٹ رہی ہے تقسیم کے لئے کوئی امر مانع موجود نہیں۔

(۳) ۱۸۰۰ء کے خفیہ معاہدہ میں یہ بات طے ہوئی تھی کہ

جو علاقے سرکارین کی متحدہ قوت سے فتح ہوں گے وہ دونوں میں برابر تقسیم کئے جائیں گے چنانچہ اسی لئے سرکار نظام کو پیشوا اور سندھیا کے مفتوحہ علاقوں سے حصہ دیا گیا تھا، اور اب اسی معاہدہ کی رو سے اس کو کرنول اور گومسور کی آمدنی سے بھی حصہ ملنا چاہیے کیونکہ ان علاقوں کی فتح دونوں سرکاروں کی جدوجہد سے ہوئی۔

(۴) ۱۸۰۰ء کے معاہدہ کی رو سے انگریزی گورنمنٹ کو صرف پیشکش تفویض کیا گیا تھا۔ اصل علاقہ بدستور سرکار نظام کی ملکیت ہے۔

لہذا گورنمنٹ انگریزی کو سرکار نظام کے مندرجہ ذیل حقوق کی تکمیل کرنی چاہیے۔

کرنول کی مالگزاری بوضع پیشکش	۱۷۰۰۰۰
گومسور کی مالگزاری میں سرکار نظام کا حصہ	۱۵۰۰۰۰
میسور کی سالانہ آمدنی کا نصف	۲۱۵۰۰۰۰
	۶۰۰۰۰۰

چونکہ ابھی ریاست میسور کا مسئلہ زیر تجویز ہے اس لئے اول الذکر علاقوں کی آمدنی ۱۸۵۰۰۰ روپیے سالانہ مجنٹ کے مصارف کے لئے منظور کی جائے اور میسور کے تصفیہ تک کے لئے بقیہ ۸۵۰۰۰ روپیے کا انتظام نہایت قابل اطمینان

طور پر سرکار نظام کی طرف سے کردیا جائے گا۔ لہذا ملک برار سرکار نظام کو واپس دے دیا جائے

نواب سالار جنگ بہادر کی اس کوشش کا یہ نتیجہ نکلا کہ گورنمنٹ انگریزی نے برار کی آمدنی میں سے ۱۰ لاکھ روپیہ سالانہ دینے کے لئے احکامات جاری کردئے۔

لیکن میسور کے معاملے پر اس لئے غور نہ کیا جا سکا کہ اس کا انقراض ملتوی ہوگیا اور ۱۸۶۸ء میں مہاراجہ میسور کے متبنٰی گدی نشین ہوگئے۔

یہ سب کچھ تو ہوا لیکن انگریزی گورنمنٹ نواب صاحب موصوف سے قدرے بدظن بھی ہوگئی۔ کیونکہ ان کے پیہم مطالبات کی تکمیل سے گورنمنٹ نظام کا تو فائدہ تھا لیکن یہ مطالبات گورنمنٹ انگریزی کے نزدیک قابل تسلیم اور مبنی بر انصاف نہ تھے،

لیکن یہ کہے بغیر نہیں رہا جا سکتا کہ نواب صاحب موصوف اپنی سرکار کی خیر خواہی میں جن حدود تک پہونچ چکے تھے وہ نہایت بلند اور قابل احترام تھے،

اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ انگریزوں کے بہی خواہ تھے

اور ان کی دلی خواہش تھی کہ دونوں سرکاروں میں دوستی کا رشتہ ہمیشہ قائم رہے لیکن اس کے باوجود انہوں نے نظام کے مفاد کو کبھی نظر انداز نہیں فرمایا۔

نواب سالار جنگ بہادر بحیثیت وکیل السلطنت

فروری ۱۸۶۹ء میں نواب افضل الدولہ بہادر آصف خامس نے انتقال فرمایا اور نواب میر محبوب علی خاں بہادر تین سال کی عمر میں فرمان روائے دکن ہوئے۔ چونکہ کم سنی کی وجہ آپ سلطنت کا انتظام نہ فرما سکتے تھے اس لئے نواب سالار جنگ بہادر اور نواب شمس الامراء امیر کبیر ایجنٹ مقرر ہوے، درحقیقت ان دونوں امراء سے بڑھ کر اس عہدے کی اور کوئی اہلیت نہ رکھتا تھا۔

اگرچہ ان دونوں امرائے عظام کے خاندانوں میں پرانی مخالفت تھی لیکن ریاست کی بہبودی اور بھلائی کی خاطر ان دونوں نے اس کی کوئی پروا نہیں فرمائی۔ جو لوگ تاریخ سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ کسی سلطنت کی تولیت کس قدر اہم خدمت ہے، اور شاہان سابق کے متولیوں نے اس خدمت سے فائدہ اٹھا کر کیا کچھ نہیں کیا، چنانچہ ابراہیم عادل شاہ ثانی کے متولیوں یعنی کامل خاں، کشور خاں، اخلاص خاں اور دلاور خاں وغیرہ نے اس منصب کی آڑ لے کر جو کچھ کیا ہے اس سے ہر

شخص واقف ہے۔ ان امور پر نظر ڈالتے ہوے اس کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ نواب سالار جنگ بہادر جیسا وکیل السلطنت شاید کسی حکومت کو نہ ملا ہوگا،

ان دونوں وکلائے سلطنت نے زمام اختیار و تولیت ہاتھ میں لیتے ہی استرداد برار کی از سرنو کوشش شروع فرمائی جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

استرداد برار کی از سرنو کوشش

نواب سالار جنگ مرحوم کو گورنمنٹ انگریزی کے مراسلات سے یہ معلوم ہوا کہ گورنمنٹ کنٹنجنٹ کی تنخواہوں کے لئے مستقل ذریعہ آمدنی کی خواہشمند ہے اس لئے انہوں نے اپنی اعلیٰ ترین قابلیت انتظامی کی بدولت بہت جلد نو کرور روپے کا انتظام کر کے گورنمنٹ کو لکھا کہ ہم ۸۰ ملین کی نقد رقم جمع کرتے ہیں لہٰذا برار واپس کر دیا جائے۔ مگر اس کوشش کا کوئی نتیجہ نہ نکلا اور معلوم ہوا کہ کنٹنجنٹ کے مصارف کے لئے نقدی ضمانت کی بجائے ارضی ضمانت کی ضرورت ہے۔

اس حقیقت کے منکشف ہونے کے بعد بھی آپ کو خیر خواہی نے خاموش ہونے نہ دیا اور آپ نے ۶ ہر جولائی ۱۸۷۶ء کو ایک مراسلہ اور بھیجا جس میں ۲۴ پیراگراف تھے اور اس میں

یہ یاد دہانی کی کہ ۱۸۵۳ء کے معاہدے میں کرنل لونے گورنمنٹ ہند کی جانب سے یہ کہا تھا کہ تفویض برار صرف اس وقت کے لئے ہے جب تک کہ سرکار نظام کو کنٹنجنٹ رکھنے کی ضرورت رہے لہذا ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ اب ہمیں کنٹنجنٹ کی ضرورت نہیں اور ہمارا ملک ہم کو واپس دیا جائے۔ لیکن اس کا جواب رزیڈنٹ کی جانب سے تشفی بخش نہ ملا تو آپ نے اپنے تمام دلائل راست وزیر ہند کے پاس بھیجدئے چنانچہ وہاں سے حکومت ہند کو ہدایت ہوئی کہ سالار جنگ کے دلائل کا جواب دیا جائے اس کے بعد ایک سال تک ردو قدح کا سلسلہ جاری رہا لیکن کچھ نتیجہ نہ نکلا، آخر کار آپ کو خاموش ہونا پڑا

ہندوستان کے بڑے شہروں کی سیاحت

ریجنسی قائم ہونے کے بعد نواب صاحب مرحوم کو ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں کی سیاحت کا موقع ملا چنانچہ آپ نے بمبئی اور کلکتہ وغیرہ کا سفر فرمایا۔ کلکتہ میں آپ حضور والیسرائے کے مہمان رہے اور بمبئی میں گورنر بمبئی نے اپنے یہاں مہمان رکھا۔

قحط اور رعایا کی امداد

۱۸۷۶ء میں اورنگ آباد اور ناگر کرنول وغیرہ میں قحط نے

اپنا زور دکھایا، اور رعایا تباہ ہونے لگی، ایسے خطرناک موقعہ پر نواب سالار جنگ بہادر نے بیس ہزار پانچ سو روپیے امداد میں صرف فرمائے اور ایک لاکھ ۲۳ ہزار دو سو باون روپئے کی رقم کسانوں کو معاف کردی۔

تمغہ

اسی ۱۸۷۱ء میں رزیڈنٹ حیدرآباد نے نواب صاحب مرحوم کو نائٹ گرانڈ کمانڈر آف دی اسٹار آف انڈیا کا تمغہ دیا۔

پرنس آف ویلز کا استقبال

۱۸۷۵ء میں حضور پرنور پرنس آف ویلز کے استقبال کے واسطے بمبئی تشریف لے جانے والے تھے مگر اطباء کی رائے یہ ہوئی کہ آپ کو سفر نہ کرنا چاہیئے، اس لئے نواب سالار جنگ بہادر حضور پرنور کی طرف سے استقبال کے لئے تشریف لے گئے۔

نواب صاحب اور شہزادۂ موصوف میں بہت پُر لطف ملاقات ہوی شہزادے نے آپ کو ایک تلوار ایک جڑاؤ کمربند ایک انگوٹھی اور ایک سونے کا تمغہ عنایت فرمایا۔

ڈیوک آف سدرلنڈ کی حیدرآباد میں آمد

جنوری ۱۸۷۶ء میں ڈیوک آف سدرلنڈ حیدرآباد تشریف

لائے اور نواب صاحب مرحوم کی مہمانداری سے بہت خوش ہوئے
اور چلتے وقت آپ سے انگلستان آنے کا وعدہ لیا جسے آپ نے
منظور فرمایا

سیاحت یورپ

"روانگی"

۷ر اپریل ۱۸۷۶ء کو لارڈ لٹن وایسرائے ہو کر ہندوستان
تشریف لائے اور لارڈ نارتھ بروک ولایت تشریف لے گئے
نواب سالار جنگ مرحوم ان کے استقبال کے لئے بمبئی تشریف
لے گئے اور وہیں سے بقصد یورپ جہاز پر سوار ہو گئے۔

"شہر روم"

۵ر مئی سن مذکور کو آپ روم پہونچے جہاں کو ئنرمال پر شاہ
وکٹر امانول سے ملاقات ہوئی اس کے بعد پوپ اعظم، پرنس
مارکیو رئیا اور اس وقت کے ولی عہد سلطنت سے بھی ملاقات
فرمائی۔

"پیرس"

۱۲ر مئی کو آپ نے پیرس پہونچ کر گرانڈ ہوٹل میں قیام فرمایا
آپ کا ارادہ تھا کہ پیرس میں صرف ایک شب قیام فرمائیں گے

لیکن ناگہانی طور پر اسی دن شام کو آپ کا پاؤں ہوٹل کی سیڑھیوں پر پھسل گیا، اور ران کی ہڈی ٹوٹ گئی اس صدمہ پانے کے سبب سے آپ کو اواخر مئی تک وہاں قیام کرنا پڑا۔ اس اچانک حادثہ سے آپ کو سخت صدمہ اٹھانا پڑا لیکن آپ نے کسی قسم کی گھبراہٹ نہیں ظاہر فرمائی۔ گرانڈ ہوٹل کے مصارف کو اتنے دنوں تک برداشت کرنے اور اس کے سوا شہر کے ارباب حاجت کی حاجت روائی کرنی معمولی شخص کا کام نہ تھا۔

"انگلینڈ"

یکم جون کو آپ فاکسٹون پہونچے اور وہاں ڈیوک آف سدرلینڈ کے جہاز پر سوار ہو کر دوسرے کنارے پر اُترے میئر آف فاکسٹون نے خیر مقدم کا ایڈریس پڑھا اور آپ نے اس کا جواب ارشاد فرمایا جس میں ہندوستان اور انگلستان کے تعلقات اور رشتۂ محبت پر روشنی ڈالی۔

انگلستان میں جس زور شور کے ساتھ نواب صاحب کا استقبال ہوا۔ ہندوستان کے کسی شخص کا نہیں کیا گیا، اور یہ سب کچھ اس وجہ سے ہوا کہ نواب صاحب مرحوم کے حسن انتظام اور رائے و تدبیر سے وہاں کے لوگ بہت متاثر تھے۔

پرنس آف ویلز کی

"دعوت"

۱۰؍جون کو مکان بارل برو میں پرنس آف ویلز نے آپ کی دعوت کی جس میں شہزادہ و شہزادی ویلز کے سوا شاہزادہ کناٹ، ڈیوک آف کیمبرج اور ڈیوک آف مینچسٹر اور ان کی بیوی بھی شریک تھیں۔

"آکسفورڈ یونیورسٹی کا"

"خطاب"

۱۲؍جون کو آکسفورڈ یونیورسٹی کی جانب سے نواب صاحب مرحوم کو 'ڈی' سی' ایل' کا اعزازی خطاب ملا۔

"ملکۂ معظمہ قیصرۂ ہند کی خدمت میں"

حاضری

۳؍جولائی کو مارکوئس آف سالسبری نے نواب صاحب کو ملکۂ معظمہ کی ونسر میں پیش فرمایا۔ نواب صاحب نے نذر پیش کی جسے حضور قیصرہ نے لمس کا شرف عطا فرما کر واپس فرمایا۔ اس شب کو نواب صاحب محل ہی میں رہے، اور کھانا بھی وہیں تناول فرمایا۔

اس دعوت میں شاہزادی بیٹرک اور شہزادہ لیوپولڈ وغیرہ بھی شریک تھے۔

شہر لندن کا آزادنامہ

۲۵ر جولائی کو کورٹ آف کامن کونسل کے مخصوص جلسہ میں نواب صاحب مرحوم کو شہر لندن کا آزادنامہ دیا گیا اس جلسہ میں لندن کے تمام بڑے بڑے امراء اور ارکان سلطنت جمع تھے۔ آزادنامہ سپرد کرتے وقت مسٹر چمین اسکاٹ نے نواب صاحب کی طرف مخاطب ہوکر ایک تقریر کی جس میں یہ ظاہر کیا گیا کہ آج تک کسی ہندوستانی ریاست کے وزیر کو یہ آزادنامہ نہیں دیا گیا، اور اس کے بعد مختلف حیثیتوں سے نواب صاحب مرحوم کی وفاداریوں کو سراہا گیا، نواب صاحب مرحوم اس تقریر سے بہت متاثر ہوئے اور اپنی جوابی تقریر میں بہت شکریہ کے ساتھ یہ امید ظاہر فرمائی کہ ہمیشہ گورنمنٹ انگریزی اور گورنمنٹ نظام میں دوستی قائم رہے گی۔

اس تقریب کے بعد ۲۶ر جولائی کو منچسٹر کارپوریشن اور منچسٹر جلسہ تجارت کی طرف سے ایک جماعت نواب صاحب مرحوم کے پاس آئی اور اڈریس پیش کیا جس میں بہت کچھ

اظہار عقیدت کیا گیا تھا۔

تقریباً دو مہینے آپ نے لندن میں قیام فرمایا۔ اس عرصہ میں آپ بڑے بڑے آدمیوں کے مہمان رہے اور وہاں کے عام لوگوں نے اس قدر آپ کی عزت کی کہ غالباً اس سے زیادہ کسی کے لئے ممکن نہ تھی۔

واپسی

۳۱ جولائی کو آپ لندن واپس ہوئے اور مختلف یورپین شہروں کو ملاحظہ فرماتے ہوئے ۲۴ اگسٹ کو بمبئی تشریف لائے اور دوسرے دن وہاں سے حیدر آباد میں رونق افروز ہوئے۔

سفر انگلستان کا ایک اہم مقصد

نواب صاحب مرحوم نے سفر انگلستان سے پہلے جو متواتر درخواستیں مطالبہ برار کے متعلق گورنر جنرل کے پاس بھیجی تھیں ان کا کوئی تشفی بخش جواب نہ ملا اس لئے نواب صاحب چاہتے تھے کہ خود انگلستان جا کر ان امور کا فیصلہ کریں چنانچہ اس خبر سے گورنمنٹ آف انڈیا کو سخت اضطراب ہوا اور اس نے یہ خواہش ظاہر کی کہ آپ وہاں کوئی گفتگو برار کے

متعلق نہ کریں البتہ واپسی کے بعد ہم خود آپ کے دعاوی پر غور کریں گے۔

واپسی کے بعد برار کا مطالبہ اور گورنمنٹ کی ناراضگی

ڈسمبر ۱۸۵۶ء میں حسب وعدہ نواب سالار جنگ بہادر نے برار کے متعلق اپنے تمام دعاوی و دلائل کو مرتب کر کے پھر رزیڈنٹ کے پاس بھیجا تاکہ وہ حکومت ہند کے پاس بھیجدیں لیکن رزیڈنٹ نے پھر اُسے وصول کرنے سے انکار کر دیا۔ نہ صرف یہی بلکہ گورنمنٹ آپ کے بار بار اصرار سے بہت متاثر اور ناراض ہوئی جیسا کہ آیندہ واقعات سے ظاہر ہوگا۔

دربار دہلی

جنوری ۱۸۷۷ء میں دربار دہلی کے موقعہ پر نواب سالار جنگ بہادر اعلیٰحضرت میر محبوب علی خاں بہادر کو لے کر دہلی تشریف لے گئے۔ چونکہ گورنمنٹ ہند نواب صاحب کے تقاضوں سے متاثر ہو چکی تھی اس لئے کلکتہ سے ایک مراسلہ وصول ہوا جس کا منشا یہ تھا کہ جب تک سر سالار جنگ اور نواب شمس الامرائ اس مضمون کا اقرار نامہ نہ لکھدیں کہ وہ حکومت انگریزی کی سیادت کو تسلیم کرتے ہیں اور حکومت نظام و حکومت انگریزی کے نزاعی

امور کے متعلق وزیر ہند کے فیصلہ کو آخری فیصلہ سمجھتے ہیں" اس وقت تک وہ دربار میں شرکت نہیں کر سکتے، نواب صاحب کو اگرچہ ان شرائط سے سخت ملال ہوا لیکن آپ نے انھیں منظور فرمالیا اور دربار میں شریک ہوے۔

نواب شمس الامراء بہادر کا انتقال

اپریل ۱۸۷۷ء میں نواب شمس الامراء بہادر نے جو نواب سالار جنگ بہادر کے شریک کار تھے انتقال فرمایا۔ ان کے انتقال کے بعد سالار جنگ کی خواہش یہ تھی کہ وکالت کا کام صرف وہی انجام دیں، اور چاروں معین المہاموں کی ایک مجلس انتظامی قائم کر دی جائے لیکن گورنمنٹ انگریزی کو یہ منظور نہ ہوا چنانچہ ۲۸ر اگست ۱۸۷۷ء کو سالار جنگ مطلع کئے گئے کہ وائسرائے ہند نے نواب وقار الامراء بہادر کو ان کا شریک کار بنایا ہے نواب صاحب اور نواب وقار الامراء میں مخالفت تھی اس لئے آپ نے اس فیصلہ کے ماننے سے پہلے تو انکار کر دیا لیکن پھر منظور کر لیا ۱۸۷۷ء سے ۱۸۸۱ء تک نواب صاحب اور حکومت ہند کے تعلقات کشیدہ رہے ۱۸۸۱ء میں سر اسٹوارٹ بیلی صاحب رزیڈنٹ حیدر آباد مقرر ہوئے اور لارڈ رپن وائسرائے ہوئے، اور نواب صاحب گورنمنٹ کی نظروں میں پھر ویسے ہی

محبوب ہو گئے جیسے کہ پہلے تھے اور پھر آخر عمر تک دونوں سرکاروں کے منظور نظر رہے۔

علالت اور انتقال

۵ر فروری ۱۸۶۲ء کو ڈیوک آف ملکبنزک حیدر آباد تشریف لائے، آپ ۷ر فروری کو ان کے ہمراہ میر عالم کے تالاب کی سیر کے لئے تشریف لے گئے شام کو مکان واپس ہوئے اور خاصہ نوش فرمانے کے بعد دیر تک سرکاری کام کرتے رہے دو بجے شب کو اچانک ہیضہ میں مبتلا ہوے اور اس سے جانبر نہ ہو سکے، اس خیر خواہ خلائق کے انتقال سے ملک کو جو نقصان پہونچا اس کی تفصیل سے اُس زمانہ کے تمام مشہور جرائد سیاہ نظر آتے ہیں۔

آپ کے انتقال پُر ملال سے اعلحضرت کو اس قدر صدمہ ہوا کہ آپ آنسو بہاتے رہے اور کسی صورت تشفی نہ ہوتی تھی۔ تمام شہر آپ کے سوگ میں ماتم کر رہا تھا، عورتیں اور بچے تک آنسو بہاتے تھے۔

نواب صاحب کی مقبولیت

نواب صاحب مرحوم اس قدر مقبول خلائق تھے کہ مزار پر سے

لوگوں نے وہ تمام پھول چن لئے تھے جو سوم کے دن بکھیرے گئے تھے۔ اس کے علاوہ آپ کی فیاضی اس قدر مشہور تھی کہ انتقال کے بعد بھی اکثر لوگ مزار پر عرضیاں لکھ کر لٹکاتے تھے تاکہ آپ اپنی روحانی قوت سے ان کی دادرسی فرمائیں۔

تمام ہندوستان اور انگلینڈ کے اخبارات نے آپ کی وفات کے بعد تعزیتی مضامین شائع کئے جن کو اگر نقل کیا جائے تو بجائے خود ایک ضخیم کتاب ہو جائے۔ ان سب کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں دنیا میں کس قدر ہر دلعزیزی حاصل تھی۔

گورنمنٹ آف انڈیا نے اس سانحہ عظیم کو اپنے غیر معمولی گزٹ میں سیاہ قور کے ساتھ شائع کیا تھا۔

گورنر جنرل ان کونسل بصد حسرت و افسوس نواب مختار الملک سالار جنگ جی، سی، ایس، آئی، نائب ریاست و وزیر حیدر آباد دکن کے انتقال کو جو آٹھویں ماہ حال کو ہوا اشتہر کرتے ہیں۔ اس واقعہ پر الم سے سرکار انگریزی کا ایک نہایت تجربہ کار اور مہذب دوست جاتا رہا سرکار نظام کا ایک بڑا عقیل اور خیر خواہ ملازم اور اہل ہند کا ایک بڑا نامی معاون و حامی نیست و نابود ہو گیا۔

لارڈ رپن کی تقریر اور سالار جنگ کی خدمات کا اعتراف

۷ ربیع الثانی سنہ ۱۳۰۱ھ کو اعلیٰ حضرت میر محبوب علی خاں آصفجاہ سادس کی تخت نشینی کے موقع پر آفتاب محل میں ایک انگریزی دربار منعقد ہوا تھا جس میں امرائے حکومت آصفیہ کے علاوہ تمام انگریز حکام بھی موجود تھے، اس وقت لارڈ رپن وائسرائے نے ایک پرجوش تقریر فرمائی تھی جس سے نواب سالار جنگ بہادر کے کارناموں اور ان کی شخصیت پر روشنی پڑتی ہے ذیل میں ہم اسے درج کرتے ہیں۔

اے حضور نظام!

میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آج کے روز اس موقعہ پر حضور ملکہ معظمہ قیصر ہند کی طرف سے آپ کو ریاست کے اقتدارات و اختیارات سپرد کرنے کی خدمت بجالانے میں مجھ کو کمال درجہ کی خوشی حاصل ہوئی۔ چند ہفتہ کے پیشتر جب کہ آپ نے مجھ سے نہایت خواہش کے ساتھ اس رسم کے ادا کرنے کے لئے حیدرآباد آنے کی درخواست کی تو مجھ کو بھی آپ کی درخواست کے منظور کرنے کی پوری خواہش ہوئی کیونکہ آپ کی درخواست سے آپ کی وہ محبت

صداقت جو برٹش گورنمنٹ کے ساتھ ہے ظاہر ہوتی
تھی میں یقین کرتا ہوں کہ میں پہلا ہی وائسرائے
ہوں جسے حیدر آباد آنے کا اتفاق ہوا ہے اور
میرا یہاں آنا صرف اس بات کو ظاہر نہیں کرتا کہ
اس ریاست عظمیٰ اور برٹش گورنمنٹ کے درمیان
نہایت مضبوط دوستانہ روابط ہیں، بلکہ اس بات کو
ظاہر کر رہا ہے کہ حضور ملکۂ معظمہ کو آپ کی خیر خواہی
اور خوشدلی کا نہایت خیال ہے اور اس میں وہ پوری
پوری دلچسپی لیتی ہیں، آپ کے طفولیت کے زمانۂ دراز
میں آپ کے رعایا کی خوش نصیبی کا باعث تھا، کہ ایک
ایسا شخص انتظام ریاست پر مامور تھا، جو ہندوستان
کے منظموں میں اعلیٰ درجہ رکھتا تھا اس کی دانائی اور
اس کی لیاقت اور اس کی وفاداری آپ کے ساتھ
بہت بڑھی ہوئی تھی۔ آپ کی طفولیت میں بہت سی
سخت مشکلیں اس کے درپیش آئیں، لیکن باوجود اس کے
اس نے ان پر غالب ہو کر اس کامیابی کے ساتھ
امور ریاست کو سرانجام دیا ہے کہ جس کی وجہ سے
وہ آپ کی گورنمنٹ اور گورنمنٹ آف انڈیا کی شکر
گذاری کا پورا مستحق ہے۔ سالار جنگ کے آپ کے

زمانہ طفولیت میں ریاست کے انتظام میں بہت کچھ اصلاحیں کیں آمدنی کو بڑھایا اور جان و مال کی حفاظت کا بندوبست کیا۔ یہاں تک کہ اپنے مرنے کے وقت تک بھی اصلاحات کو سوچ رہے تھے۔ مجھ کو امید تھی کہ جب آپ مسند نشین ہوں گے تو وہ اپنے کامل تجربہ سے آپ کے معین رہیں گے، اور سرگرمی کے ساتھ آپ کی خدمت بجالائیں گے لیکن خدائے تعالیٰ کو یہ بات منظور نہ تھی اور ایسے وقت پر انھیں دنیا سے اُٹھالیا جب کہ آپ کو ان کے مدد کی ضرورت بلکہ اشد ضرورت تھی، اس مسرت انگیز موقعہ پر ان کی عدم موجودگی سخت رنج و افسوس کا باعث ہے اگرچہ وہ خود زندہ نہیں لیکن ان کی کارروائیاں باقی ہیں جنھیں میں امید کرتا ہوں کہ آپ کے وزرار وسعت دیں گے اور ان کی توسیع کو اپنا فرض منصبی سمجھیں گے، میں چند کلمے نصیحت کے آپ کو دوستانہ کہتا ہوں اور وہ یہ ہیں کہ آپ اپنی مالگذاری کو دیکھیں کیونکہ مالگذاری کا اچھی حالت میں نہ ہونا، ریاست کی تباہی کا باعث ہے اگرچہ ہر جگہ یہی حالت ہے لیکن خاص کر ہندوستان جہاں مالگزاری کا عمدہ انتظام نہیں ہے اور اس سے

بے پروائی سے کام لیا جاتا ہے تو سنگین ٹکس مقرر کرنے پڑتے ہیں، اور پھر رفتہ رفتہ افلاس بڑھتا جاتا ہے اور رعایا تباہ ہوتی جاتی ہے، اس کے بعد زیادہ سود پر قرضہ لینا پڑتا ہے، اور اخیر میں دیوالہ نکلتا ہے، اس لئے مناسب کفایت شعار منصفانہ ٹکس لازم ہے کہ وہ رعایا کی آسودگی اور دولت کی ترقی کا باعث ہیں، مالگزاری کا عمدہ قاعدہ ہندوستان میں عمدہ گورنمنٹ کی بنیاد ہے، اور بغیر اس کے حاکم کو راحت اور آرام نہیں رہتا، اور لوگ مفلس و قلاش ہو جاتے ہیں۔

(بستان آصفیہ)

آپ کی مختصر سیرت اور آپ کے عہد پر ایک

اجمالی نظر

نواب مختار الملک بہادر، نہایت عاقل، ذہین، مدبر، معاملہ فہم اور ہر حیثیت سے یکتائے زمانہ شخص تھے حیدرآباد کے لئے ایسے شخص کا وجود ایک مصلح مدبر کی حیثیت سے خدا کی ان نعمتوں میں سے تھا جو شاذ ہیں، زمانہ ایسے افراد کو روز روز نہیں پیدا کرتا، بلکہ

صدیوں کے بعد ایسی ہستیاں ظہور پذیر ہوتی ہیں۔
حیدرآباد کی ہر جہتی اصلاحیں صرف انھیں کی برگزیدہ ہستی کی رہین منت ہیں، موجودہ حیدرآباد کی تعمیر و تشکیل انھیں بنیادوں پر قائم ہے جن کو مرحوم نے استوار فرمایا تھا، آپ سرکار نظام اور سرکار انگریزی دونوں کے معتمد علیہ تھے، درحقیقت ان دونوں کا اعتماد بیک وقت حاصل کرنا ہر شخص کا کام نہ تھا

اولاد

آپ نے دو صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں یادگار چھوڑیں تھیں صاحبزادگان کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔
(۱) مختارالملک عماد السلطنۃ میر لائق علی خاں بہادر سالار جنگ
(۲) نواب میر سعادت علی خاں بہادر شجاع الدولہ منیرالملک

شجاع الدولہ نواب میر سعادت علی خاں بہادر

پیدایش اور تعلیم و تربیت

۳ ذی قعدہ ۱۲۷۵ھ کو آپ حیدرآباد میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم خانگی طور پر ہوئی اس کے بعد مدرسہ عالیہ میں شریک ہوئے جہاں اس زمانہ کے اکابر تعلیم پاتے تھے، فراغت کے بعد یکم فروری ۱۸۸۰ء کو بغرض تعلیم انگلستان تشریف لے گئے۔

انگلستان میں آپ نے اپنے بڑے بھائی کے ساتھ وہاں کے اکابر اور ملکہ وکٹوریہ سے ملاقات حاصل فرمائی۔

خطابات

۶؍ ربیع الثانی سنہ ۱۲۹۱ھ کو خطاب خانی و بہادری سے مشرف ہوئے، ۲۹؍ ذی حجہ سنہ ۱۳۰۰ھ کو غیور جنگ شجاع الدولہ کے خطابات ملے اور ۲۳؍ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۰۱ھ کو منیر الملک کے خطاب سے مخاطب ہوئے۔

صدر المہامی فوج

۷؍ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۰۱ھ کو جب آپ کے بڑے بھائی مدار المہامی سے سرفراز ہوئے تو آپ صدر المہامی فوج کے لئے منتخب ہوئے جسے آپ نے باحسن و خوبی انجام دیا۔

وکالت سرکار عالی

۳؍ جمادی الثانی سنہ ۱۳۰۲ھ کو آپ راولپنڈی کے اس دربار میں شرکت کے لئے بحیثیت وکیل سرکار عالی تشریف لے گئے جو امیر عبد الرحمن خاں والی کابل کے اعزاز میں منعقد ہوا تھا۔ اس سفر میں آپ کے ہمراہ میجر پرسی گاف، نواب الملک بہادر،

مسٹر فریدون جی اور ڈاکٹر یوسف علی تھے۔

آپ کی قابلیت

آپ اپنے مفوضہ کام کو اس خوبی کے ساتھ انجام دیا کرتے تھے کہ بڑے بڑے مدبر اور ہوشیار انگریز بھی آپ کی قابلیت کے معترف تھے۔ سلیقہ مندی آپ کو اپنے آبا سے ترکہ میں ملی تھی۔

انتقال

آپ اپنے والد بزرگوار اور اپنے بڑے بھائی کے انتقال سے بہت متاثر ہوئے چنانچہ اسی صدمہ کی وجہ سے آپ کا مزاج غیر معتدل رہنے لگا، اور آخر کار سیف آباد میں بتاریخ ۴ جمادی الثانی سنہ ۱۳۰۷ھ انتقال فرمایا۔

اولاد

آپ نے صرف ایک صاحبزادی کریم النساء بیگم صاحبہ کو یادگار چھوڑا تھا جنھوں نے اپنی بڑی پھوپی کے زیر نگرانی نہایت عمدہ تعلیم پائی تھی لیکن افسوس کہ عنفوان شباب ہی میں انتقال فرمایا۔

نواب میر لائق علی خاں بہادر عماد السلطنۃ
"سالار جنگ"

میر لائق علی خاں بہادر سالار جنگ منیر الدولہ مختار الملک عماد السلطنۃ، جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا ہے نواب مختار الملک بہادر کے بڑے صاحبزادے تھے، آپ ۸ رجب ۱۲۸۰ھ کو حیدر آباد میں پیدا ہوئے اور ہر طرح اپنے نامور و ذی عظمت باپ کے سچے جانشین اور لائق و فائق فرزند تھے۔ آپ نے اپنی مختصر سی پاکیزہ و لطیف زندگی میں جو کام کئے وہ آپ کی ذہانت، قابلیت اور محبت ملک و مالک پر دال ہیں۔

تعلیم و تربیت

آپ نے ابتدائی تعلیم اور معقول تربیت اس شخص کی نگرانی میں حاصل فرمائی جو دنیا کے زبردست سیاسوں میں سے ایک تھا۔ یعنی آپ کے پدر بزرگوار نواب مختار الملک بہادر جن کی ایک گھڑی کی صحبت برسوں کی تعلیم کے مماثل تھی۔

اس کے علاوہ آپ کو ایک اور زبردست شرف حاصل ہوا جو بہت کم لوگوں کو حاصل ہوتا ہے یعنی اعلحضرت بندگانعالی میر محبوب علی خاں بہادر آصف جاہ سادس کی ہم مکتبی، ظاہر ہے کہ
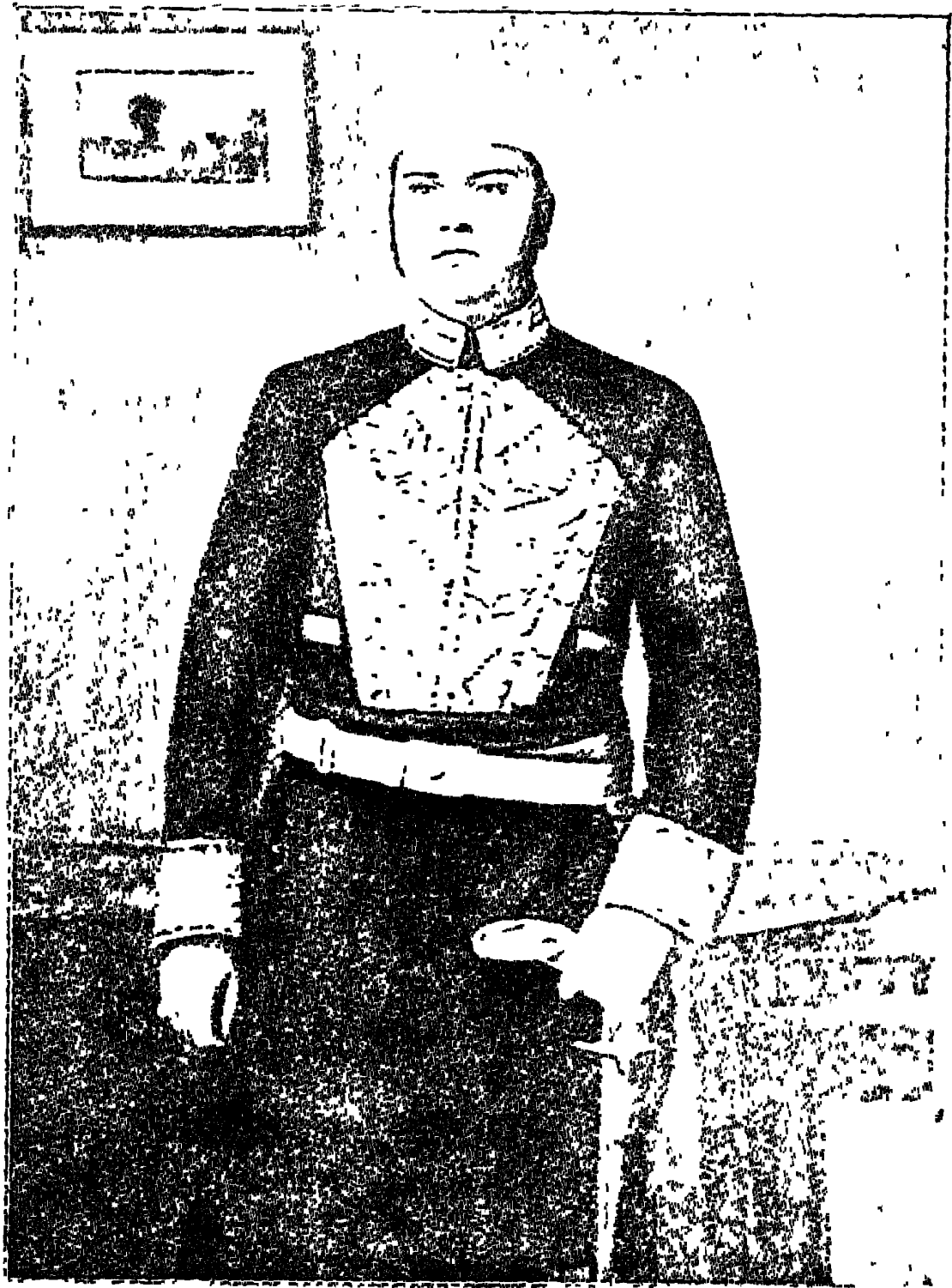
میر لائق علی خان سالار جنگ منیرالدولہ عماد السلطنت

ان سب امور کا اثر آپ کے دماغ پر بہت اچھا پڑا ہوگا جس کا
صاف اظہار آپ کے کارناموں سے ہوتا ہے۔
خانگی تعلیم کے بعد آپ مدرسہ عالیہ میں شریک ہوئے
جو اسی زمانہ میں کھولا گیا تھا، مدرسہ میں آپ ہمیشہ اول رہے
۱۹؍صفر ۱۲۹۷ھ کو آپ یورپ بھیجے گئے، جہاں آپ عرصہ تک
تکمیل تعلیم فرماتے رہے۔

لندن میں قیام اور ملکہ وکٹوریہ سے "ملاقات"

لندن میں قیام کے دوران میں آپ وہاں کے عمائدین کی
صحبت سے فیضیاب ہوتے رہے اور اپنے والد ماجد کی طرح
۲۷؍شعبان ۱۲۹۹ھ کو ملکۂ وکٹوریہ کی ملاقات سے مشرف و
مفتخر ہوئے۔

خطابات

۶؍ربیع الثانی ۱۲۹۱ھ کو جشن سالگرہ کے موقع پر خانی اور
بہادری کے خطاب سے سرفراز ہوئے، ۲۹؍ذی حجہ ۱۳۰۰ھ کو
جب بندگان عالی نے والد کے پرسے کے لئے طلب فرمایا تو
سالار جنگ منیر الدولہ کے خطابات عطا فرمائے اور ۲۳؍جمادی الاولیٰ

سنہ ۱۳۰۱ھ کو بتقریب دربار نو روز آبائی خطاب مختار الملک سے مشرف ہوئے، اور عماد السلطنت سے بھی مخاطب کئے گئے۔

وزارت کے اہم "واقعات"

آپ کے عہد وزارت میں جو مہتم بالشان کام ہوئے انھیں درج ذیل کیا جاتا ہے تاکہ ناظرین کے خیال میں ان کا ایک مختصر سا خاکہ مرتب ہو جائے۔

(۱) کونسل آف اسٹیٹ کا قیام۔
(۲) دفتر فینانس کا قیام۔
(۳) مجلس وضع قوانین کی تشکیل۔
(۴) وائسرایان ہند کی آمد و رفت حیدر آباد میں
(۵) سرکاری زبان اردو کا ہونا۔

منصب وزارت

سنہ ۱۳۰۱ھ میں اعلحضرت غفران مکان میر محبوب علی خان نے اختیارات حکومت اپنے ہاتھ میں لیتے ہی آپ کو قلمدان وزارت سے سرفراز فرمایا۔ جس کی تفصیل بالفاظ بستان آصفیہ حسب ذیل ہے

۷ ربیع الثانی سنہ ۱۳۰۱ھ کو دربار حکمرانی میں شام کے

چار بجے حضور پر نور نے خلعت وزارت، سرپیچ، دست بند، بازوبند، طرہ، ہار وغیرہ مرحمت فرماکر قلمدان وزارت سپرد فرمایا۔ اور اسی تقریب میں لارڈ رپن وائسرائے وگورنر جنرل ہند نے ایک کرچ معہ پیٹی (بگلوس) عطا کی، آپ نے ۱۲ ربیع الثانی کو اس عہدۂ جلیلہ کا جائزہ لیا۔

کونسل آف اسٹیٹ

آپ کے عہد میں ۳۰ ربیع الثانی ۱۳۰۱ھ بروز پنجشنبہ کو حویلی قدیم میں کونسل آف اسٹیٹ کا انعقاد عمل میں آیا جس کے رکن آپ بھی تھے۔

اعلیحضرت غفران مکان کی

"ہمرکابی"

اعلیحضرت غفران مکان کو آپ سے بڑی محبت تھی اسی لئے آپ ہمیشہ سفر و حضر میں حاضر رہا کرتے تھے، چنانچہ ۲۲ رجب ۱۳۰۲ھ کو جب اعلیحضرت نیلگیری تشریف لے گئے تو آپ بھی ہمراہ تھے اسی طرح جب حضور لارڈ ڈفرن کی ملاقات کے لئے مدراس تشریف لے گئے تو آپ کو بھی ہمرکابی کا شرف بخشا۔

ذہانت

نواب عماد السلطنۃ کی ذہانت زبان زد خاص و عام تھی مشہور ہے کہ آپ کا حافظہ اپنے والد سے بھی بڑھا ہوا تھا۔ جن لوگوں نے آپ کی ملاقات کا شرف حاصل کیا ہے انھیں آپ کی ذہانت و طباعی اور دانائی کا اعتراف ہے آپ کے حافظہ کے متعلق ایک واقعہ مشہور ہے جو کم از کم اس زمانے کے لوگوں کے لئے کرامت کا حکم رکھتا ہے، اور وہ یہ کہ اپنی سیاحت کے دوران میں جب آپ ٹرکی پہونچے اور سلطان ٹرکی سے شرف ملاقات حاصل فرمایا تو صرف ایک ہفتہ میں اس زبان پر اتنا عبور حاصل فرمالیا کہ ڈنر کے موقعہ پر اسی زبان میں تقریر فرمائی۔

تقریر و تحریر

آپ علم و فضل کے ساتھ بہترین مقرر اور بہترین منشی تھے آپ کے مضامین دنیا کے مشہور رسالوں میں اکثر شائع ہوتے رہتے تھے۔ چنانچہ ایکبار آپ نے لندن کے کسی مشہور رسالہ میں ایک نہایت دلچسپ مضمون لکھا تھا، جسے لوگوں نے عام طور پر پسند کیا اور مسٹر گلاڈسٹن تو اتنے خوش ہوئے کہ ایک تعریفی خط لکھ بھیجا۔

زبان اردو کی ترویج

نواب عماد السلطنت بہادر کے عہد کا سب سے بڑا کارنامہ زبان اردو کی ترویج ہے آپ سے پہلے دفاتر کی زبان فارسی تھی تمام حکام اور تمام اہلکاران کے لئے فارسی کا جاننا ضروری تھا یہ طریقہ مغلیہ روایات کے لحاظ سے اچھا تھا لیکن یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ جب تک کوئی ملک اپنی زبان میں ترقی نہ کرے اور دفاتر مادری زبان میں نہ ہوں اس وقت تک نہ علمی و فنی ترقیاں ہو سکتی ہیں اور نہ عدالت کے انصاف کا تصور ہو سکتا ہے۔

آپ ان مدبرین میں سے ایک تھے جنھوں نے یہ محسوس کیا کہ زبان اردو سرکاری زبان بننے کی مستحق ہے اس لئے ہمیں یہ کہنے میں کوئی تکلف نہیں کہ دکن اور ہندوستان میں اردو کی موجودہ ترقی ان کی ذات بابرکات کی رہین منت ہے۔

وائسرایانِ ہند کی آمد و رفت

گورنمنٹ نظام اور گورنمنٹ برطانیہ کی آپس کی دوستی کسی پر مخفی نہیں، اس کے علاوہ ان دونوں کے تعلقات سیاسی ہمنوائی کا اقتضا، یہہ تھا کہ ان دونوں حکومتوں کے باہمی تعلقات خوشگوار اور دوستانہ رہیں، اور آپس میں کسی قسم کی خلیج حائل ہونے پائے

چنانچہ اس امر پر نظر رکھتے ہوئے آپ کے پیشروؤں نے حتی الوسع دونوں سرکاروں میں انتہائی دوستی قائم کرنے کی کوشش فرمائی، اسی خیال کے ماتحت اعلیٰحضرت غفران مکان کی تخت نشینی کے موقعہ پر لارڈ رپن وائسرائے وقت کو دعوت دی گئی جس کو انہوں نے قبول فرمایا اور اسی موقع پر نواب صاحب کو خلعت مدارالمہامی بھی ملا۔ اس طرح آپ کے عہد میں دوستانہ طور پر وائسرایانِ ہند کی آمد و رفت کا سلسلہ قائم ہوا، اس کے بعد لارڈ ڈفرن تشریف لائے۔

نظام والنٹیر کور کا قیام

نواب عمادالسلطنت بہادر صرف سیاسی و علمی شخص نہ تھے بلکہ شجاعت اور عسکریت کے لحاظ سے بھی امرائے عہد میں ممتاز تھے اور فوج سے آپ کو بڑی دلچسپی تھی، چنانچہ جمادی الثانی ۱۳۱۲ھ میں آپ نے بتوسط مسٹر کارڈری گورنمنٹ انگریزی سے ماؤنٹیڈ والنٹیر قائم ہونے کی اجازت حاصل فرمائی اور اس طرح ملک کی مقتدر و ذی عزت ہستیوں کو فنون سپہ گری کی تحصیل کا موقعہ ملا۔

۴ رجب ۱۳۰۲ھ کو آپ نے ایک جلسہ کا انعقاد فرمایا جس میں تمام عمائدین حکومت شریک تھے، اس کے بعد آپ نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جو حضرات خدمت ملک کے شائق ہوں وہ اپنے مصارف سے والنٹیر کورس میں

شریک ہوں۔ آپ کی تقریر کا اتنا زبردست اثر ہوا کہ "۹۸" اشخاص نے اسی وقت نام درج کرالیا۔

اس کے بعد یوماً فیوماً شہر میں یہ ذوق ترقی پذیر ہوتا رہا حتی کہ مہر ۱۲۹۵ف میں ممبروں کی تعداد ایک سو پچیس (۱۲۵) تک پہونچ گئی پہلے اِس میں ایک کلب تھا جس کا نام دار التفریح تھا۔ ۲۱ شعبان ۱۳۱۲ھ کو اس کلب کا نام والنٹیر کلب رکھا گیا۔ صدر محبس کے پیچھے قواعد ہوا کرتی تھی کچھ دنوں بعد باغ عام میں اس کا کیمپ قائم ہوا، اور فتح میدان قواعد کے لئے تجویز ہوا۔

نواب منیر الملک اور راجہ مرلی منوہر اپنی ڈیوٹی پر تشریف لایا کرتے تھے۔ ۱۶ رمضان ۱۳۰۲ھ کو حبیب اعلحضرت غفران مکان نیلگیری سے واپس ہوئے تو والنٹیر گارڈ باقاعدہ اسٹیشن پر موجود تھا، اور اس نے اسٹیشن سے خلوت مبارک تک بدرقہ کی ڈیوٹی ادا کی

خدمت وزارت سے

استعفا

۲۴ رجب المرجب ۱۳۰۲ھ کو نواب عماد السلطنتہ بہادر نے خدمت وزارت سے سبکدوشی حاصل فرمائی جس کی وجہ سے حیدرآباد کو

ایک دانشمند اور باتدبیر وزیر سے مستفید ہونے کا کماحقہٗ موقعہ نہ ملا۔

دوبارہ

سفر یورپ

خدمت سے مستعفی ہونے کے بعد آپ نے دوبارہ سفر یورپ کا ارادہ فرمایا اور ۱۲ شعبان سنہ ۱۳۰۴ھ کو بمبئی سے جہاز پر سوار ہوئے اس سفر میں آپنے اکثر مغربی و مشرقی ممالک کی سیاحت فرمائی اور اکابرین سے ملنے کا آپ کو موقعہ ملا۔ چنانچہ قاہرہ میں خدیو مصر سے ملاقات ہوئی، سلطان ٹرکی سے بھی شرف ملازمت حاصل فرمایا اور ان کے علاوہ آپ کو کئی سلاطین اور امراء سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ ۲۳ صفر سنہ ۱۳۰۵ھ کو اس سفر سے فارغ ہو کر آپ حیدرآباد تشریف لائے۔

وفات

اور

مدفن

سفر یورپ سے واپس ہونے کے بعد چند روز بیمار رہ کر ۷ ذیقعدہ سنہ ۱۳۰۶ھ روز یکشنبہ دن کے تین بجے انتقال فرمایا اور اسی دن شب کے ساڑھے سات بجے، اپنے آبائی مدفن دائرہ میر مومنؒ میں مدفون ہوئے اور عالی جناب نواب میر یوسف علیخاں بہادر سالار جنگ کو یادگار چھوڑا

فخر خاندان اویسی روشن چراغ دودمان میر عالم
و مختار الملک امیر ابن امیر کبیر ابن کبیر
نواب میر یوسف علیخاں بہادر سالار جنگ دام اقبالہم

"اسم سامی و لقب گرامی"

آپ کا اسم مبارک' میر یوسف علی خاں اور خطاب شاہی و آبائی نواب سالار جنگ بہادر ہے جس سے آپ تمام دنیا میں مشہور ہیں آپ سے پہلے اس خاندان میں تین سالار جنگ اور گذر چکے ہیں جن کے اسمائے گرامی حسب ترتیب درج ذیل ہیں

(۱) محمد علی خاں بہادر شجاع الدولہ (نبیسہ میر عالم بہادر) سالار جنگ اول جو آپ کے پر دادا تھے سنہ ۱۲۲۱ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۲۴۴ھ میں وفات پائی۔

(۲) میر تراب علی خاں بہادر شجاع الدولہ مختار الملک' جی۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ ڈی۔ سی۔ سالار جنگ دوم جو آپ کے دادا تھے سنہ ۱۲۴۴ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۳۰۰ھ میں وفات پائی۔

(۳) آپ کے والد بزرگوار میر لائق علی خاں بہادر منیر الدولہ مختار الملک عماد السلطنتہ سالار جنگ سوم سنہ ۱۲۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۳۰۶ھ میں وفات پائی۔ اس لحاظ سے آپ اپنے خاندان کے

چوتھے سالار جنگ ہیں۔

والد بزرگوار اور والدہ ماجدہ

آپ کے والد ماجد میر لائق علی خاں بہادر نیر الدولہ مختار الملک سالار جنگ اور والدہ ماجدہ فخر نسواں علیا حضرت زینب بیگم صاحبہ بنت سید ابو الحسن صاحب تھیں۔

سلسلۂ نسب

نواب میر یوسف علی خاں بہادر بن میر لائق علی خاں بہادر بن میر تراب علی خاں بہادر، بن محمد علی خاں بہادر بن علی زماں خاں بہادر بن محمد صفدر خاں بہادر بن شیخ شمس الدین محمد حیدر نیر الملک بہادر بن شیخ محمد تقی بن شیخ محمد باقر بن شیخ محمد علی بن شیخ اویس ثانی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت باسعادت

۱۴ ؍ شوال ۱۳۰۶ھ کو آپ بمقام پونا متولد ہوئے لیکن بمصلحت قضا و قدر صرف ۲۲ روز بعد ہی سایۂ پدری سے محروم ہونا پڑا اور اس طرح آپ دُرِ یتیم بن کر آغوش مادری میں تربیت پذیر ہوئے

تعلیم و تربیت

امراء و اکابر کے دستور کے مطابق آپ ابتداءً در دولت پر

عالیجناب نواب میر یوسف علی
خان بہادر سالار جنگ دیوان حیدرآباد
دکن دام اقبالہ ولادت
میر سعادت علیخان
میر لائق علیخان
بہادر سالار جنگ منیر الدولہ مختار الملک
عماد السلطنت
عنبر جنگ بہرام علیخان
میر تراب علی خان
صفدر علی خان
بہادر اکرام الملک
عبداللہ صاحب
قوی جنگ اشجع الدولہ
اشجع الملک
میر محمد کاظم
میر محمد علی
میر ولایت علی
قوی جنگ
ذوالفقار جنگ
محمد عیسیٰ خاں
میر جواد علی
میر جنگ اشجع الدولہ
عالم علی خان
بہادر شیر جنگ سراج الدولہ
سراج الملک دیوان
علی زمانخان
محمد علی خان
بہادر سالار جنگ شجاع الدولہ
حسن رضا خان
بہادر اشجع الملک شوکت الدولہ
انتقال
محمد نقی خان
رضا یار خان
بہادر امین الملک امین الدولہ
جہاندار علیخاں
بہادر امین الدولہ
حسن یار الدولہ
ذوالفقار جنگ
صبیہ
منسوب بسیف الدولہ سیف
الملک بہادر جنگ
میاں خلف ارسطو جاہ
بہادر
نقی یار خان
ذوالفقار جنگ اپنے والد کے
۷ سال بعد انتقال کے
محمد صفدر خان
شیخ شمس الدین محمد حمید حمید یار خان منیر الملک منیر الدولہ شیر جنگ منتظم و دیوان
شیخ محمد نقی
احشام جمیع قلعجات دکن سرفراز
وفات سنہ ۱۱۴۵ھ
شیخ محمد علی داماد ملا احمد مدار المہام علی عادل شاہ
ثانی ۔ بعہدہ دبیر شاہی فائز
شیخ اویس
رحمۃ اللہ علیہ متوطن مدینہ منورہ
من تشریف لائے

ہی تعلیم حاصل کرتے رہے اور حقیقت یہ ہے کہ ایسے عظیم الشان لوگوں کی تربیت صحیح طور پر مبداء فیاض ہی کرتا ہے اور ان کا ماحول ہی ان کے لئے گہوارۂ تعلیم ہوتا ہے لیکن تاہم آپ کچھ دنوں بعد مدرسہ عالیہ میں شریک ہوئے جو اس زمانہ میں امراء کے لئے حیدر آباد کی بہترین اور مخصوص درس گاہ تھی۔

مدرسہ میں آپ بحیثیت ایک طالب علم کے

یہ بات نہایت مشہور ہے کہ مدرسہ میں امارت و ثروت سے قطع نظر بحیثیت طالب علم کے آپ نہایت جفاکش اور محنتی رہے تمام طلبہ آپ کی ذہانت اور عمدہ برتاؤ سے خوش اور اساتذہ گرویدہ تھے۔ چنانچہ مسٹر سٹین پرنسپل کو آپ کی محنت و ذہانت کا اعتراف تھا۔

امتحانات مڈل و میٹرک

مدرسہ مذکور سے آپ نے اپنی ذہانت کی بدولت پہلے مڈل اور پھر میٹرک کا امتحان ممتاز حیثیت سے پاس کیا، لیکن آپ کی اعلیٰ قابلیت درحقیقت مدرسہ سے زیادہ ذہانت اور تربیت و صحبت کی رہین منت ہے۔ انگریزی میں آپ کو جو بے نظیر ملکہ حاصل ہے اسے کچھ اہل زبان ہی جانتے ہیں اس کے علاوہ اردو، فارسی اور عربی ادب پر جو عبور حاصل ہے وہ کچھ کم نہیں۔

آبائی اسٹیٹ کی دیکھ بھال

جب اعلیحضرت آصف سابع خلد اللہ ملکہ تخت نشین ہوئے تو آپ کی اسٹیٹ کی نگرانی اٹھالی اور آپ کے قبضہ میں دے دیا چنانچہ آپ نے اپنے علاقہ کا دورہ فرماکر اصلاح کا قصد فرمایا چنانچہ اسٹیٹ کی موجودہ صورت آپ ہی کی سعی و کاوش کا نتیجہ ہے۔

مدار المہامی

۲۵ رجب ۱۳۳۰ھ کو آپ اپنے آبائی منصب مدار المہامی سے سرفراز ہوئے اور تین سال تک اس خدمت جلیلہ کو باحسن وجوہ انجام دیتے رہے، آپ نے اپنے دور مدار المہامی میں جو اصلاحات جاری فرمائیں وہ اسی انداز کی تھیں جو آپ کے جد نواب مختار الملک مرحوم کی جاری کردہ تھیں چنانچہ مختلف محکموں کی ترقیاں اس کی شاہد ہیں۔

سبکدوشی

محرم ۱۳۳۳ھ کو جناب نے مدار المہامی کی مہتم بالشان خدمت سے سبکدوشی حاصل فرمائی اور اپنی ان اصلاحات کو جنھیں آپ ملک و مالک کی بہی خواہی کے لئے بروئے کار لائے تھے نقوش راہ کی طرح چھوڑا۔

محکمہ جات سرکار عالی
کی ترقی

آپ کی مدارالمہامی کے زمانہ میں کئی نئے محکمے قائم ہوئے اور آب رسانی، تعمیرات اور تعلیم کو اعلیٰ پیمانہ پر وسعت دی گئی۔

حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس

جس طرح شمالی ہند میں تمام ہندوستانی تعلیمی ترقی کے لئے ارباب فکر نے مسلم ایجوکیشنل کانفرنس منعقد کی تھی اسی طرح آپ کے عہد میمنت مہد میں حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس کا قیام عمل میں آیا، جس کے فوائد و منافع پوشیدہ نہیں ہیں۔ حیدرآباد کی عام تعلیمی دلچسپی بہت کچھ اسی کانفرنس کی منت کش ہے۔

قواعد پیمانہ جات

اوزان اور پیمانوں کے متعلق قواعد و ضوابط کا متعین ہونا ہر ایک ملک کے لئے ضروری ہے۔ حیدرآباد میں ان کی عدم موجودگی کی وجہ سے سخت تکلیف تھی، چنانچہ آپ کے عہد میں اس طرف توجہ کی گئی اور رعایا، کو اس تکلیف سے نجات ملی۔

مسالخ

مسالخ میں اگر باقاعدہ اور واقف کار لوگوں کا تقرر نہ ہو تو اہل اسلام کے لئے شک کی گنجائش رہتی ہے، حیدرآباد جیسی ریاست کے لئے یہ ضروری تھا، کہ مسلمانوں کی اس ضروری شکایت کو دفع کرے، مگر آپ سے پہلے کسی مدارالمہام کی توجہ اس طرف مبذول نہ ہوئی، آپ کے عہد میں، اس ضرورت کو دفع کرنے کے لئے سند یافتہ ملاؤں کا تقرر کیا گیا۔

امداد قحط زدگان

رحم و کرم آپ کے خاندان کا طغرائے امتیاز رہا ہے، چنانچہ نواب مختار الملک بہادر مرحوم کے کارنامے قحط زدگان کے متعلق اظہر من الشمس ہیں اِس لئے آپ میں اگر یہ وصف نہ ہوتا تو جائے حیرت تھی، آپ کے عہد میمنت مہد کا یہ کارنامہ بھی کچھ کم نہیں کہ ممالک محروسہ سرکار عالی میں اس کا دستور العمل نافذ کیا گیا، اور مسٹر ویکفیلڈ کمشنر قحط مقرر کئے گئے۔

آپ کے عہد کی دوسری اہم اصلاحات

مذکورہ بالا قوانین و ضوابط کے علاوہ آپ کے عہد وزارت میں

سیول سرویس کلاس کھلی اور اس کے قواعد مرتب ہوئے تادیب خانہ جات کے لئے قواعد وضع کئے گئے، جدید جوڈیشل کمیٹی کی تنظیم ہوئی ضابطہ جوڈیشل کمیٹی نافذ ہوا، قواعد پولیس ٹریننگ اسکول جاری ہوئے اور ان کے علاوہ اسی نوعیت کی بہت سی اصلاحیں عمل میں آئیں ۔

محکمۂ آثار قدیمہ

آپ ہی کے زمانہ وزارت میں محکمۂ آثار قدیمہ سرکارعالی کا قیام عمل میں آیا۔ اور مولوی غلام یزدانی صاحب بی اے اس کے ناظم مقرر ہوئے، اس محکمہ کا قیام جس قدر ملک کے لئے ضروری تھا وہ کسی پر مخفی نہیں اور اس سے جو فوائد حاصل ہوے وہ بھی اظہر من الشمس ہیں ۔

انگریزی الفاظ کی ممانعت

آپ کے زمانہ میں یہ حکم بھی نافذ ہوا کہ سرکاری مراسلات میں انگریزی الفاظ نہ استعمال کئے جائیں۔ اس میں شک نہیں نواب صاحب بالقابہم مشرقی و مغربی علوم و فنون میں مہارت رکھتے ہیں۔ اور انگریزی زبان میں آپ کی لیاقت محتاج بیان نہیں لیکن تاہم آپ نے اس غلامانہ ذہنیت کو بدلنے کی کوشش کی کہ اپنی

مادری زبان کو انگریزی الفاظ کے ذریعہ خواہ مخواہ مسخ نہ کیا جائے اس سے آپ کی آبائی اردو نوازی کا ثبوت ملتا ہے۔

وظائف تعلیمی ایشیاء و یورپ

آپ کے عہد میں متعدد طلبائے علم کو سرکاری طور پر وظائف تعلیمی عطا ہوئے جن کے اسماء حسب ذیل ہیں۔

۱۔ سمیع اللہ شاہ، بی۔ ایس۔ ای ولد سید امجد اللہ، سول انجینئرنگ
۲۔ سید محمد یونس، بی۔ اے ولد سید عطا حسین، سول انجینئرنگ۔
۳۔ حیدر علی خاں، ایل۔ ایم۔ ایس ولد حکیم داوے علی، انجینئرنگ
۴۔ محمد سراج الدین احمد ولد ڈاکٹر معین، انجینئرنگ۔
۵۔ ایم۔ اے، لیا ریلو ولد یم یل انڈیا، طبابت
۶۔ دی۔ ایچ کونا پورو ولد ہنمنت راؤ کونا پور، طبابت

صنعت و حرفت سے آپ کی گہری دلچسپی

کسی ملک کی خوشحالی کے لئے صرف تعلیمی ترقی ہی کافی نہیں، بلکہ صنعت و حرفت کی ترقی بھی لازمی ہے۔ نواب سر سالار جنگ بہادر کو صنعت و حرفت سے اس قدر دلچسپی ہے کہ آپ نے بنفس نفیس کئی کمپنیوں کی ڈائرکٹری منظور فرمائی اور متعدد کمپنیاں بھی قائم کیں جو

کامیابی کے ساتھ چل رہی ہیں۔

مسلم یونیورسٹی
علی گڑھ

ہندوستان میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کو جو اہمیت حاصل ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ ملک کے تمام مسلم اکابرین اس کی امداد حتی الوسع کرتے ہیں منجملہ ان کے آپ نے بھی اس کی امداد فرمائی، اور ایک لاکھ روپیہ نقد کے علاوہ بارہ سو (۱۲۰۰) روپیہ سالانہ مقرر فرمائے۔

انجمن ترقی اردو

انجمن ترقی اردو جو پہلے اورنگ آباد میں تھی اور اب دہلی میں ہے، ہندوستان میں زبان اردو کی ترویج کے لئے خاص اہمیت رکھتی ہے۔ اس نے زبان اردو کی جتنی خدمت کی ہے، اور جس قدر اسے شائع کیا ہے اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔

نواب صاحب دام اقبالہٗ نے اس کی خدمات کے صلہ میں دس ہزار روپیہ کا بیش بہا چندہ دیا، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ جناب والا کو اپنی زبان سے کتنی محبت ہے۔

پچانوے ہزار روپئے

نواب صاحب ممدوح نے گذشتہ نو سال کے عرصہ میں تقریبًا پچانوے ہزار روپئے کلدار سے ہندوستان اور انگلستان میں تعلیم پانے والے طلبہ کی امداد جیب خاص سے فرمائی۔

مدرسۂ دارالعلوم

آپ نے مدرسہ دارالعلوم حیدرآباد کی ساٹھ سالہ جوبلی کے موقعہ پر صدارت فرمائی اور نہایت عالمانہ خطبہ دیا، جس سے آپ کی علمی استعداد کا اظہار ہوتا ہے۔

دکھنی ادب کی سرپرستی

آپ کی گراں قدر توجہ اور عطیہ سے بیسیوں دکھنی ادب کی قدیم اور بیش بہا کتابیں زیر طبع ہیں یہ آپ کا وہ عظیم الشان کارنامہ ہے جو آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔

یوم ولی اور آپ کی صدارت

"ولی" اورنگ آبادی ہندوستانی کا شاعر اعظم اور اردو شاعری کا

آدم ہے۔ اس کی دو صد سالہ جشن یادگار کے موقع پر جوسٹی کالج میں منایا گیا تھا آپ نے صدارت فرمائی اور اپنے کتب خانۂ خاص سے شاعر موصوف کے قلمی نسخہ اس موقع کی نمایش کے لئے عطا فرمائے اور ایک بصیرت افروز خطبہ دیا جس سے آپ کی معلومات کا اندازہ ہوتا ہے، ہم ذیل میں اس خطبہ کو نقل کرتے ہیں

خطبۂ صدارت

حضرات!

ہماری زبان کے مایہ ناز شاعر ولی اورنگ آبادی کے دو صد سالہ جشن یادگار کی صدارت اور افتتاح نمائش کے لئے آپ نے میرا انتخاب فرمایا اس کے لئے میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں، جب مولوی سید اعظم صاحب نے جن سے میرے تعلقات قدیمانہ ہیں اس تقریب کی سرپرستی قبول کرنے کی مجھ سے استدعا کی تو میں کچھ عذر نہ کر سکا کیونکہ میں جانتا تھا کہ ولی میرے بزرگوں کے وطن اورنگ آباد کا شاعر ہے آپ حضرات سے یہ امر مخفی نہیں کہ میرے خاندان کے افراد کو اورنگ آباد سے قدیمی تعلق رہا ہے، چنانچہ میرے اجداد وہیں سے آئے۔ اگرچہ اس کی موجودہ حالت کو دیکھ کر کوئی شخص اس کی قدیم تاریخی عظمت اور رونق کا اندازہ نہیں کر سکتا لیکن یہ مقام شاہی دور ہی سے عالموں شاعروں اور بڑے بڑے ارباب فکر کا مرکز رہا ہے۔ یہ امر ہم سب کے لئے باعث حیرت ہے

کہ شعر و سخن میں بھی ہمارے اورنگ آباد ہی کے ایک شاعر کی تمام ہندوستان میں قدر و منزلت کی گئی اور اسی کے وجود سے شمالی ہند خاص کر دہلی میں اردو شاعری کا آغاز ہوا اِس لئے ہر قدیم تذکرہ نگار اس کو آدم ریختہ یعنی اردو شاعری کا باوا آدم کہتا ہے۔

اگرچہ ایسا کہنے میں کسی قدر مبالغہ سے کام لیا گیا ہے اور یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ ولی اورنگ آبادی ہی اردو کا پہلا شاعر ہے کیونکہ آپ حضرات ابھی ابھی نمائش میں ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ ولی سے ڈیڑھ دو سو سال پیشتر کے اردو شاعروں کی بھی کتابیں موجود ہیں لیکن یہ ضرور ہے کہ شمالی ہندوستان میں فارسی شاعری کا اثر کم کرکے اردو کو رواج دینے والا ولی ہی تھا، اور اس لحاظ سے وہ آدم ریختہ کہلائے جانے کا یقیناً مستحق ہے۔

ایسی ہستیاں قابل فخر ہیں جو اپنے وطن کا نام روشن کرتی ہیں ولی نے اپنے شعر و سخن کے کمال سے دکن کو تمام ہندوستان میں مشہور کر دیا اور آنے والی نسلوں کے لئے، ایسا سرمایہ چھوڑا جس پر اہل ملک بجا طور پر ناز کر سکتے ہیں۔ ہم سب پر بھی فرض ہے کہ اسی طرح اپنے وطن کی خدمت میں اپنی اپنی بساط کے مطابق حصہ لیں اور

سلہ یہ کل قلمی نسخے جو ایب نایاب کی تعریف میں آتے ہیں نواب صاحب ہی کے کتب خانہ کا ایک جزو ہیں۔

ہم سے پہلے جن افراد نے اس کی خدمتگزاری میں اپنی عمریں صرف کردی تھیں ان کی قدر کریں۔

میں اس جلسہ کے بانیوں کو مبارکباد دیتا ہوں کہ انھوں نے ایک اچھے کام کا آغاز کیا ہے۔ اس طرح کی تقریبوں سے علمی و عملی دلچسپیوں کی ترقی اور کام کرنے کے وسائل میں اضافہ ہوتا ہے جس کی فی زمانناضرورت بھی ہے۔ لیکن اس اہم اور دلچسپ کام کو اس تقریب کے ساتھ ختم نہ ہوجانا چاہیئے بلکہ مناسب یہ ہے کہ اس دو صد سالہ جشن ولی کی یادگار میں کسی مستقل کام کا آغاز کیا جائے۔ میرے خیال میں اس سے بڑھ کر کوئی اچھا کام نہیں ہوسکتا کہ ولی سے پہلے بھی ہمارے ملک میں بڑے بڑے شاعر اور انشاء پرداز پیدا ہوچکے ہیں، خود طبقۂ فرمانروایان میں محمد علی قطب شاہ اور علی عادل شاہ بلند پایۂ شاعر تھے، پھر ان کے دربار کے ملک الشعرا وجہی، غواصی، نصرتی، رستمی وغیرہ ولی سے کم نہ تھے، چونکہ ولی سے بہت پہلے گذرے ہیں اس لئے ان کے کلام اور بھی زیادہ قابل قدر ہیں، بہرحال اس اہم کام کی تکمیل کے لئے ایک جماعت منتخب کرلینی چاہیئے۔ مسرت کا مقام ہے کہ خود ہمارے ملک میں اب ایسے اصحاب موجود ہیں کہ ان قدیم کتابوں کے کلام اور زبان کو سمجھ کر ان کو جدید ترین طریقوں پر مرتب کرکے شائع کرسکتے ہیں۔ میں بھی اس مبارک اور اہم کام

میں اس جماعت کا ہاتھ بٹانے تیار ہوں۔ مجھے اِس جلسے کے حامی مولوی سید محمد اعظم صاحب کی مستعدی اور توجہ سے یقین ہے کہ اپنی صدارت میں جلد اس کام کو شروع کردیں گے میں سمجھتا ہوں کہ سب سے پہلے زمانہ گذشتہ کے سلاطین دکن مثلاً محمد قلی قطب شاہ محمد قطب شاہ عبد اللہ قطب شاہ اور علی عادل شاہ وغیرہ شعراء کے کلام کی اشاعت سے اس کام کا آغاز کرنا چاہیئے، ان کی ترتیب اور اشاعت کے بعد دوسری اہم کتابیں مثلاً ابراہیم نامہ، علی نامہ، قطب مشتری، پھول بن، خاور نامہ اور گلشن عشق وغیرہ بھی چھپوائی جاسکتی ہیں، ان سب کتابوں کی اشاعت سے اردو زبان کے ذخیرہ میں بڑا اضافہ ہوگا اور اردو بولنے والوں کی معلومات وسیع ہوجائیں گی۔ لیکن ہم کو محض قدیم ادبی سرمایہ کی اشاعت ہی تک اپنے کام کو محدود نہ رکھنا چاہیے۔ ہمارے ملک کے نوجوانوں کو جدید طرز کی ضرورتوں اور ملک کے نئے نئے رجحانات و ضروریات کے مطابق بھی تصنیف و تالیف میں حصّہ لینا چاہیئے، کیونکہ زمانہ ہمیشہ ایک طرح پر نہیں رہتا دنیا بہت کچھ بدل چکی ہے ۔ ان تغیرات کے ساتھ ساتھ ہم کو بھی جدید حالات و رجحانات اور ماحول سے مقابلہ کرنے کے لئے تیار

رہنا چاہیئے۔

مجھے بڑی خوشی ہوتی ہے جب میں دیکھتا ہوں کہ ہمارے ملک میں اب اچھے ادیب اور علمی کام کرنے والے پیدا ہو گئے ہیں اور وہ جدید حالات و خیالات کے مطابق تصنیف و تالیف میں مشغول ہیں، یہ نہایت خوش آیند امر ہے اور ظاہر کرتا ہے کہ اس ملک میں محمد قلی، وجہی، نصرتی، وغیرہ نے علم و ادب کی جو شمع روشن کی تھی اور جس کی روشنی ولی اورنگ آبادی نے دور دور تک پھیلادی تھی وہ اب بھی روشن ہے اور مجھے توقع ہے کہ ملک کے ہونہار نوجوان اس کی روشنی میں اضافہ کرنے اور اپنے بزرگوں کے سرمایہ سے مستفید ہونے میں ہر طرح پیش پیش اور کامیاب رہیں گے۔

نواب صاحب کا کتب خانہ

نواب صاحب کا کتب خانہ ہندوستان کے ان کتب خانوں کے مساوی ہے جن کی نظیر ملنی مشکل ہے ہر قسم کی کتابوں کا ایک گراں قدر ذخیرہ ہے جو آپ کے علمی ذوق کا شاہد ہے۔ عربی، انگریزی اور ہر علمی زبان کے قدیم اور قلمی نسخے اکثر و بیشتر موجود ہیں، اور نواب صاحب کے ذوق کا یہ عالم ہے کہ ہندوستان و بیرون ہندوستان کے لوگ اکثر نایاب کتابیں لاتے اور

امید سے زیادہ مالا مال ہو کر جاتے ہیں، یوں تو آپ کے کتبخانہ میں عام کتب خانوں کی طرح فہرست کتب بھی با قاعدہ ہے لیکن نواب صاحب ممدوح کے حافظہ کا یہ عالم ہے کہ آپ کو خود کتبخانہ کی تمام کتابوں کا مکمل حال معلوم ہے اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہندوستانی رؤسا کے خلاف اکثر و بیشتر کتب کا مطالعہ فرماتے رہتے ہیں۔

نواب صاحب کا عجائب خانہ

میرا خیال ہے کہ دنیا کے عجائب و غرائب کے جمع کرنے کا ذوق و شوق جس قدر نواب صاحب میں پایا جاتا ہے اتنا ہندوستان کے کسی رئیس کو نصیب نہیں، یوں تو آپ کا سکونتی محل بھی ایک مستقل عجائب خانہ اور دنیا کی نادرات سے پر ہے لیکن اس کے علاوہ "سرور نگر" کا عجائب خانہ جس میں تمام عالم کی عمدہ عمدہ اشیاء نہایت سلیقہ سے رکھی گئی ہیں اپنی نظیر آپ ہے دنیا کے گوشے گوشے اور زمین کے چپے چپے سے قدیم و جدید نادر اور کم یاب اشیاء فراہم کی گئی ہیں جن کے مہیا کرنے میں بے اندازہ دولت صرف ہوئی ہوگی۔

قدیم ممالک متمدنہ مثلاً مصر و ایران، ہند و چین اور روما کی دلفریب صناعیوں کے نمونے، زمانہ سلف کے صناعوں کے شہ کار

بشری صنعت گریوں کے دلفریب و حیرت خیز کارنامے، ظروف و مجسمات اور آلات و اسباب کی صورت میں ناظر کو مجسمۂ استعجاب بنا دیتے ہیں، بلاشبہ یہاں کے چوبیں و سنگیں مجسموں کو دیکھکر یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ ان کے بنانے والے رشک مانی و بہزاد رہے ہوں گے اور اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ہمارے سلف اپنے تمدنی ارتقا، اور صناعی کے لحاظ سے جس منزل میں تھے ہم اس سے کچھ زیادہ آگے نہیں بڑھے بلکہ بہت سی باتوں میں ہنوز ان سے پیچھے ہیں۔

اگر کوئی ماہر فن تاریخ اس عجائب خانہ کی چیزوں کو تاریخی حیثیت سے دیکھے تو کئی مجلدات تصنیف کر سکتا ہے اور عوام بھی ان کے مشاہدے سے اپنی عظمت رفتہ کی یاد کو تازہ کر سکتے ہیں۔ یہ تمام عجائبات نو ۹ بڑے بڑے بنگلوں میں نہایت سلیقہ سے سجائی گئی ہیں اور نواب صاحب دام اقبالہ، کے ذوق و نظر کا ثبوت دیتی ہیں، انتظام و اہتمام کا یہ عالم ہے کہ کوئی ملازم کسی چھوٹی سے چھوٹی چیز کو بھی اس کی جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ نہیں رکھ سکتا، اس سے علاوہ حسن انتظام کے نواب صاحب کے حیرت انگیز حافظہ کا ثبوت ملتا ہے جس کے وہ حامل ہیں، خدا کرے کہ ارباب علم و بصیرت اس حیرت انگیز ذخیرہ سے بیش از بیش فائدہ اٹھائیں۔

تار کا بنگلہ اور درباری بنگلہ

عجائب خانہ کے سلسلہ میں "تار کا بنگلہ اور درباری بنگلہ" پہلی کڑی کی حیثیت رکھتے ہیں، اور غالباً ان دونوں میں سامان بھی بہت زیادہ ہے، جن میں سے بعض حسب ضرورت تفصیل طلب ہیں۔

بلورین گلدان

سب سے پہلے ایک کمرہ میں بلور کے چھوٹے بڑے سیکڑوں گلدان نظر آتے ہیں، جن کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ دھات کے بنے ہوئے معلوم ہوتے ہیں، ممکن ہے اس میں کچھ مسی اور برنجی بھی ہوں، ان کی میناکاری اپنی نظیر آپ ہے جسے دیکھ کر سخت حیرت ہوتی ہے۔

کرسیاں اور میزیں

میرے خیال میں کرسیوں اور میزوں کے جتنے نمونے زمانۂ سلف اور زمانہ جدید میں بروئے کار آچکے ہیں ان میں سے اکثر یہاں موجود ہیں ایک کرسی کے متعلق عام طور پر یہ مشہور ہے کہ وہ فرعون مصر کی ہے کرسی لکڑی کی ہے اور موجودہ کرسیوں سے صورت میں بہت کچھ مشابہ ہے، لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ عوام کا

خیال صحیح ہے یا غلط۔
ایسے ہی ایک میز کے متعلق مشہور ہے کہ وہ نپولین اعظم کی بیگم کی ہے معلوم نہیں کہاں تک اس میں صداقت ہے۔
صوفوں پر جس قسم کے اطلس منڈھے ہوئے ہیں وہ اب نایاب ہیں، نہ معلوم کہاں سے نواب صاحب نے مہیا فرمائے ہیں۔

لکڑی کے حیرت انگیز مجسمے

نواب صاحب کے عجائب خانہ میں لکڑی کے کام کے ایسے زبردست اور حیرت انگیز نمونے موجود ہیں جنھیں دیکھ کر عقل ششدر رہ جاتی ہے لکڑی کا ایک عجیب قد آدم مجسمہ ہے، جو سامنے سے دیکھنے سے ایک سپاہی معلوم ہوتا ہے اور پیچھے سے ایک نازنین، یہ مجسمہ ایک ہی لکڑی سے تراش کر بنایا گیا ہے اور اس پر اتنا بہتر رنگ چڑھایا گیا ہے کہ لکڑی کا معلوم نہیں ہوتا۔
یہاں اس قسم کے کئی مجسمے دیکھنے میں آتے ہیں کہ ایک ہی لکڑی کو تراش کر درخت کی شکل بنائی گئی اور اس کے اوپر اور نیچے ریچھوں کے غول بنا دئے گئے، ان کی بناوٹ اتنی صاف ہے اور اتنا اچھا رنگ دیا گیا ہے کہ بالکل اصلی معلوم ہوتے ہیں۔

پنکھے

ہر قسم کے قدیم پنکھوں کے نمونے بھی موجود ہیں اور اگرچہ ان میں کوئی خاص خوبصورتی اور صفائی نہیں ہے لیکن زمانۂ قدیم کی یاد دلاتے ہیں

جہازوں کے نمونے

جہازوں کے ہر قسم کے چھوٹے چھوٹے نمونے یہاں موجود ہیں بادبانی جہازوں سے لے کر اس وقت تک کے تمام جہاز موجود ہیں۔ جنھیں دیکھ کر جہازرانی کی ارتقائی حالت معلوم ہوتی ہے۔

چینی سامان

اہل چین کی صناعیوں کے نمونے یہاں بکثرت موجود ہیں جنھیں دیکھ کر عقل کام نہیں کرتی، لکڑی کے مندر، لکڑی کے جزیرے لکڑی کے برتن۔ چائے کی پیالیاں، کیتلیاں وغیرہ نہایت صفائی سے بنائی گئی ہیں اور ان پر اس خوبی سے رنگ دیا گیا ہے کہ چینی کے معلوم ہوتے ہیں

حقے

حقوں کی ارتقائی حالت اور ان کا تنوع اگر کوئی دیکھنا چاہے تو نواب صاحب کا عجائب خانہ دیکھے جس میں ہزارہا قسم کے نمونے

موجود ہیں۔

گلدستے

اس عجائب خانہ میں کپڑوں کے گلدستے عجیب عجیب قسم کے موجود ہیں جنھیں دیکھ کر اصلیت کا دھوکا ہوتا ہے۔

بیدری سامان

بیدر کی صناعی تمام دنیا میں مشہور رہ چکی ہے جست پر چاندی کا کام جیسا یہاں ہوتا تھا اور کہیں ممکن نہ تھا، ان تمام صنعتوں کے نمونے یہاں دیکھنے میں آتے ہیں۔

لکڑی کے ہاتھی

لکڑی کے بنے ہوئے ہاتھی نہایت خوبصورت خوبصورت یہاں رکھے ہوئے ہیں بعض مجسّمے تو ایسے ہیں کہ ایک لکڑی کو تراش کر پہاڑی کا نمونہ بنایا گیا ہے اور اس پر ہاتھیوں کی چڑھائی دکھائی گئی ہے، اور اس خوبی سے رنگ دیا گیا ہے کہ اصلیت کا دھوکا ہوتا ہے۔

ڈبے

متعدد الماریاں مختلف قسم کے ڈبوں اور ڈبیوں سے پُر ہیں جن کا شمار ممکن نہیں اور ان کے مشاہدہ سے عقل حیران رہ جاتی ہے۔

چینی ظروف

چینی ظروف، ہر قسم کی چھوٹی بڑی رکابیاں اور پیالے وغیرہ اس کثرت سے موجود ہیں کہ ان سب کو دیکھنے کے لئے ہفتوں کی ضرورت ہے۔

گھڑیاں

میرے خیال میں گھڑیوں کا کوئی نمونہ جو ابتک دنیا میں بنا ہے ایسا نہیں کہ یہاں نہ موجود ہو۔ ان سب کے مہیا کرنے میں بلاشبہ انتھک محنت اور بے شمار روپیہ صرف ہوئے ہونگے۔

اگر عجائب خانہ کے متعلق اور زیادہ خامہ فرسائی کیجائے اور قدرے تفصیل سے کام لیا جائے تو کتاب بہت ضخیم ہو جائے گی اس لئے اس بیان کو نظر انداز کیا جاتا ہے، اس کتاب کا مقصد صرف افراد و اشخاص کی سیرت اور تمدنی حیثیت سے ان کی افادیت کو نمایاں کرنا ہے دوسرے امور محض ضمنی ہیں لہذا مشتے نمونہ از خروارے پر عمل کیا گیا،

خاتمہ کتاب پر خدا سے میری یہ التجا ہے کہ وہ ایک ایسے زبردست خانوادہ کو جس نے ملک و مالک اور قوم و ملت کی اتنی زبردست خدمات انجام دی ہیں، قائم و دائم رکھے اور اس کے افراد کے ذریعہ ملک کو فائدہ پہونچائے آمین۔

مصطفائی بیگم

لیڈی کمشنر خزانہ عامرہ سرکار عالی

حیدرآباد دکن ۲۷ ردے ۱۳۵۰ف